

آپنی زندگی

مستقیم
ایم ای
ایم ای



شماره نمبر ۲

اچھے سیریز

آپ بڑا بڑا

صنف: منظر کلیم ایم اے

سلسلہ نمبر ۱۲

ناشرانہ خان برادرز نصیر مارکیٹ ملتان
نواں شہر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اس ناول آپ بڑا بڑا بڑا کے تمام نام، مقام، کردار، واقعات اور
پیش کردہ سچو کٹر قطعی فرضی ہیں۔ کسی قسم کی جزدی یا کلمی مطابقت
محض اتفاق ہوگی جسکی ذمہ داری پرنٹر پبلشر مصنف پر ہرگز عائد نہ ہوگی

قیمت ۳/۵۰

سرورق شہزاد

منظر کلیم ایم اے پبلشر نے فیوڈل پریس لاہور سے
چھپوا کر دفتر خان برادرز نصیر مارکیٹ ملتان سے جاری کیا۔

منظہر کلیم ایم اے کے سابقہ شاہکار ناول

- ۱۔ ماکاز دنگا عمران سیریز (دور لائٹس میں چمکے) ۱۲۔ ایکٹر عمران سیریز (دور لائٹس زیر طبع)
- ۲۔ شوگی پاما " " " " ۱۳۔ ایکٹر کون " " " "
- ۳۔ سابلوٹ اگر " " (دور لائٹس زیر طبع) ۱۴۔ انکا I " " " "
- ۴۔ ٹرنٹولا حمیدی فریدی سیریز ۴/- ۱۵۔ انکا II " " " "
- ۵۔ باساشی عمران سیریز (دور لائٹس زیر طبع) ۱۶۔ بیو آئی " " " "
- ۶۔ مادام " " " " ۱۷۔ ڈبل واٹ I " " " "
- ۷۔ گنجا بھکاری " " " " ۱۸۔ ڈبل واٹ II " " " "
- ۸۔ ٹریپ آف دھیتہ پرودیسیریز (دور لائٹس زیر طبع) ۱۹۔ کایا پٹ " " " "
- ۹۔ دس کروڑ میں دشیطان عمران سیریز (") ۲۰۔ بے جرم مجرم " " " "
- ۱۰۔ ڈاگ ریز I عمران فریدی سیریز (") ۲۱۔ ایکابان " " " "
- ۱۱۔ ڈاگ ریز II " " " " ۲۲۔ شیزو فرینیا اپانی سیریز ۳/-

ہوشیار

ہمارے ملک میں نقاحے اب ایک وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس لئے ہم اپنے قارئین کو آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ ان ناولوں سے پوری طرح ہوشیار رہیں جو آپ کے پسندیدہ مصنف مظہر کلیم ایم اے کی شہرت سے ناباز نہ نامہ اٹھانے کے لئے ان کے نام سے ملتے جلتے نام شائع کر کے قارئین کو مسلسل دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

منظہر کلیم ایم اے کے ناول ادارہ خاصہ برادرز نصیر مارکیٹ ملتان سے ان کے فوٹو سمیت شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملتے جلتے ناموں یا صرف ڈگری کا فرق ڈال کر جو مواد ناولوں یا گھٹیا جسنی رسائل میں چھاپا جا رہا ہے۔ مظہر کلیم ایم اے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قارئین ان دھوکہ بازوں سے ہوشیار رہیں۔

اپنی سیریز کے تحت دوسری فخریہ پیشکش
منظہر کلیم ایم اے
آپریشن آپے کن

ملنے کا پتہ: خان برادرز نصیر مارکیٹ ملتان شہر

اسپانی سیریز کی چند خصوصیات

چند باتیں

محترم قارئین :- سلام ملون ! اسپانی سیریز کا دوسرا ناول پیش خدمت ہے ۔
مجھے سرت ہے کہ قارئین کی اکثریت نے اس سلسلے کو سید اپن کیا ہے ۔

یہ ناول جو آپ کے ہاتھوں میں ہے آپ کو یقیناً پسند آئے گا نہ صرف اس لئے کہ میں نے اس پر بے پناہ محنت کی ہے ۔ بلکہ اس ناول کا پلاٹ اب تک جاسوسی ادب میں پیش
کئے گئے تمام ناولوں سے قطعی منفرد اور نوکھا ہے ۔

کسی ملک کے جاسوس بھی ہوں ۔ انہیں اس وقت جاسوسی کیلئے غیر ممالک بھیجا جاتا ہے
جب وہ ہر قسم کی سخت ٹریننگ کے بعد اس قابل ہو جائیں کہ قادیان پر پیش آنیوالے مسائل اور
مشکلات پر اپنی سخت جانی انتہا درجے کی حاضر و باغی اور برقی کی سی جیتی کی بنا پر ہر وقت
قابو پاکیں اور اس طرح وہ اپنے ملک کے مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں ۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا
ہے کہ ایسے محب الوطن نوجوان جو جاسوسی کی الجھ سے بھی واقف نہیں ہوتے انہیں ملک
کے مفادات کا تحفظ کرنا پڑتا ہے ۔

یہ ناول بھی ایسے ہی دو محب وطن نوجوانوں کے شاندار کارنامے پر مشتمل ہے ۔
جاسوسی کی الجھ سے بھی واقف نہیں تھے ۔ مگر چاہنک جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے
ملک کے خلاف سازش کی گئی ہے تو وہ مجرموں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے ۔ اور پھر اپنی
ناجائز بیکاری کی بنا پر انہیں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ انہوں نے ان مشکلات

۱۔ اسپانی سیریز میں کوئی مستقل کردار نہیں ہوگا ۔ بلکہ ہر نئے کرداروں
پر مشتمل ناول آپ پڑھیں گے ۔ تاکہ بورکن بچانیت سے نجات حاصل کریں
۲۔ اسپانی سیریز کے ناول اپنے بھرپور سپنس اور نوکھے پلاٹ کیوجہ
سے آپ کو یقیناً متاثر کریں گے ۔

۳۔ اسپانی سیریز جاسوسی ادب میں تنوع کی نئی راہیں کھول دے گا ۔
۴۔ اسپانی سیریز کا ہر ناول مظہر کلیم ایم اے کی قلم کی عظمت کا نمایاں
ثبوت ہوگا ۔

اسپانی سیریز کے سلسلے

میرے ہمیشہ اپنے

مخبران سے آگاہ کیجئے

ناشران :- خان برادرز نوان شہر ملتان

پرس طرح قابو پا کر اپنے ملک کے مفادات کا تحفظ کیا۔ اس کی تفصیل آپ ناول میں خود ہی پڑھ لیں گے۔

مگر میں اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ ناول پڑھتے وقت یہ ضرور ذہن میں رکھئے کہ یہ دونوں نوجوان جاسوسی کے میدان میں قطعی نا تجربہ کار تھے۔ اس طرح آپ اس ناول سے زیادہ سے زیادہ حد تک محفوظ ہو سکیں گے۔

ان کی نا تجربہ کاری نے کیا کیا گل کھلائے اور کتنی مضحکہ خیز سچو شیز پیدا ہوئیں۔ اور پھر کس طرح انہوں نے خطرناک مجرموں سے ٹکرا کر اپنے ملک کے مفادات کا تحفظ کیا۔ یہ آپ کو ضرور متاثر کرے گا۔

مجھے اجازت دیجئے اور ناول پڑھنے کے بعد مجھے اپنی رائے سے حسب باقی ضرورت آگاہ کیجئے کیونکہ آپ کی رائے میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں۔

والسلام

مخلص

منظر کلیم ایم

”مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم جنت میں آگئے ہوں۔“

ظفر دانی نے اتریک سنبھالتے ہوئے خالد شیرازی سے کہا۔

”مگر یہ بھی یاد رکھنا کہ جنت میں کبھی کبھی سانپ بھی گھس آتا ہے اور پھر آدم و حوا

کو قیامت تک زمینی غلاب جھینا پڑتا ہے۔“

خالد شیرازی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا جناب تو آپ اب اپنی عین کی تبدیلی کا اعلان کرنے والے ہیں۔ یعنی کہ

حوائس کی سخی کر رہے ہیں۔“

ظفر دانی نے چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور چند قدم آگے بڑھانے سے ہی

وہ اس فولاوی کتے سے پہچ گیا جو خالد اسے رسید کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے پتہ ہے کہ آپ کتنے بڑے باکسر ہیں۔ اس لئے یہ مشتق ستم مجھے مزید پر
نہ فرمایا کریں۔"

ظفر نے منہ بناتے ہوئے کہا
"اب ٹیکسی پکڑنے کی کوشش کرو کہ ہمیں ایئر پورٹ پر ہی ڈیرے لگانے کا خیال
ہے۔"

خالد نے قدرے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔
"یار سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ایئر پورٹ ہی اتنا خوبصورت ہے کہ یہاں سے
جانے کو جی نہیں چاہتا۔"

ظفر نے ایئر پورٹ کی خوبصورت عمارت پر نظریں دوڑاتے ہوئے بڑے رومانوی لہجے
میں جواب دیا۔
"ٹیکسی"

خالد نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو روک ہی لیا۔
"چلو چلو اب یہ رومان کسی اور جگہ بگھارنا"

خالد نے ظفر کو بازو سے پکڑ کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر دھکیلتے ہوئے کہا۔ اور خود ڈرائیور
کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے صاحب" ٹیکسی ڈرائیور نے بڑے مذہب لہجے میں پوچھا۔ زبان
انگریزی ہی تھی۔

"کسی اچھے سے ہوٹل میں لے چلو۔"

خالد نے اسے کہا۔

"کیا بات ہے۔ کتنا مذہب ملک ہے۔ یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور کتنی اچھی انگریزی
بولتے ہیں۔"

ظفر نے پچھلی سیٹ سے ٹاک لگائی۔ وہ اردو میں بات کر رہا تھا۔
"ابے چند انگریزی ان کی مادری زبان ہے۔"

خالد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جناب ٹیکسی ڈرائیور صاحب چند کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں مجھے یاد نہیں آ رہا
ویسے یہ نہ سمجھنا کہ میں جاہل ہوں۔ میں کبھی کبھی ذہن منوط کھا جاتا ہے۔" ظفر نے
ٹیکسی ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا اور خالد اس کی بات سن کر بے اختیار ہنس دیا
"چند کیا ٹیکسی ڈرائیور بھلا چند کیا سمجھتا ہے۔ چند کو انگریزی میں ظفر
درانی کہتے ہیں۔"

خالد نے جواب دیا۔

"جناب ڈرامہ سنبھال کر بات کریں۔ اگر میں فطرتاً شریعت واقع ہوا ہوں تو
اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام درانی اپنی بے عزتی برداشت کر لیں گے۔ درانی ہمیشہ
مرد میدان رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ باپ دادا شیراز سے نکلے تو شیرازی کا منہ لگا لیا
جیسے شیراز سے نہ نکلے ہوں شیر کی کچھار سے برآمد ہوئے ہوں۔" ظفر نے اسے
باقاعدہ ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔

"صاحب آپ بیابان ہیں"

ٹیکسی ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"یہ ہوں گے ہمارے دشمن۔ ہم تو کوئٹہ کی طرح ہستی دنیا دریافت کرنے نکلے ہیں۔"

ظفر نے جواب دیا۔

”مگر یہ دنیا تو پہلے سے ہی دریافت ہو چکی ہے۔“

ڈرائیور بھی اب ظفر کی باتوں میں دلچسپی لینے لگ گیا۔

”یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ دراصل ہم یہاں اس لئے آئے ہیں تاکہ نئی دریافت ہونے والی دنیا کا نقشہ خرید سکیں۔ شاہی یہاں ہر جگہ کے تفصیلی نقشے مل جاتے ہیں۔“

ظفر نے بڑے دنگ بچے میں کہا۔

”جی دریافت ہونے والی دنیا کا نقشہ بہت خوب جناب بہت خوب۔ آپ

بڑے دلچسپ نوجوان ہیں۔“

ٹیکسی ڈرائیور کو ظفر کی بات پر اتنی سہمی آئی کہ اس کے ہاتھ سیٹنگ پر کانپنے لگے۔

”سُورِ خیال ہے کہیں تم بغیر نقشے کے ہی نہیں نئی دنیا میں نہ پہنچا دیتا۔“

ظفر نے اس کا حیان ڈرائیورنگ کی طرف دلاتے ہوئے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں جناب ایکسٹنٹ نہیں ہوگا۔“

ڈرائیور نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

”وہ تو مجھے بھی علم ہے ایکسٹنٹ نہیں ہوگا۔ بس صرف چند ہڈیاں ہی ٹوہیں

گی۔ ظفر نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا اور ڈرائیور اور خالد شیرازی دونوں

سکرا دیئے۔

اسی لمحے ٹیکسی ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے رک گئی۔

”یہیے جناب یہ ہوٹل امپالا ہے۔ کافی اچھا ہوٹل ہے۔“

ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی پارکنگ ٹیڈ میں روکتے ہوئے کہا۔

”امپالا، مگر وہ تو کسی گاڑی کا نام ہے۔ کیا اس ہوٹل میں کاریں بھی بنتی ہیں۔“

ظفر نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا

”جی ہاں صرف کاریں ہی نہیں بنتیں بلکہ ڈرائیور بھی بنتے ہیں۔ کیونکہ ان کی

بنی ہوئی کاریں پیٹ سے باہر نہیں نکل سکتیں۔“

ڈرائیور نے سکراتے ہوئے جواب دیا۔

خالد نے اس دوران پرس سے پیسے نکال کر ڈرائیور کو دیئے۔

”پیٹ سے تمہارا مطلب شاید پیٹ فارم سے ہے۔“ ظفر نے اپنا ایڈ بیگ

سنجھاتے ہوئے پوچھا۔

اور ڈرائیور کوئی جواب دینے کے بجائے ہنس پڑا۔

”چلو بھئی بے موقع مذاق اچھا نہیں لگتا۔“

خالد نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

”ارے مجھے چھوڑ دو تو سہی کہیں لوگ اسے اعوا بالیبر کا کیس نہ سمجھ لیں۔“

ظفر نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں میں گپیں میں داخل ہو گئے۔ انتہائی خوبصورت انداز میں

بجے ہوئے ٹال کو دیکھ کر ظفر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور پھر نیم حریاں

باس میں تسلیوں کی طرح گھومتے والی ویٹرسوں پر تو اس کی نگاہیں جم کر

رہ گئیں۔

”یار یہ تو بالکل انگلش فلموں والا سین ہے۔“ اس نے حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے

خالد سے کہا۔

اور خالد اس کی بات سے بغیر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ اتنے میں ایک ویٹرس تریب سے گزری۔ ظفر نے اچانک اس کا سر ہانپ لیا۔ وہ حیرت سے کھڑی ہو گئی۔ ظفر نے ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچ لیا۔
"ارے تم تو اصلی ہو۔"

اس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔
"اور آپ کیا کچھ تھے؟"

ویٹرس نے اس میں دھپسی لیتے ہوئے پوچھا۔
"میں تو یہی سمجھا تھا کہ انگلش فلم دیکھ رہا ہوں۔"

ظفر نے جواب دیا۔

"انگلش فلم" ویٹرس شاید اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

"جی ہاں ہمارے ملک میں ایسے سین انگلش فلم میں ہی نظر آتے ہیں۔" ظفر نے

اسے سمجھتے ہوئے کہا۔

"اوہ اچھا تو آپ غیر ملکی ہیں؟"

ویٹرس نے غیر سہلے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں ہم تو خالص ملکی ہیں۔ غیر ملکی تو آپ ہیں۔"

ظفر نے اس کے فقرے کی تصحیح کرتے ہوئے کہا

اور ویٹرس اسے یوں حیرت سے دیکھنے لگی جیسے اس کے دماغی صحت کے

بارے میں مشکوک ہو گئی ہو۔

"ظفر ادھر آؤ۔"

خالد نے کلاؤنٹر پر سے ہی آواز لگائی۔

اور پھر ظفر تیر کی طرح خالد کی طرف بڑھ گیا۔

"یار کچھ تو صبر کیا کرتا کرتے ہی نظر بازی شروع کر دی۔"

خالد نے اسے کہا۔

"ارے وہ تو میں اس ویٹرس کو ملکی اور غیر ملکی کا فرق سمجھا رہا تھا۔ قطعی جاہل

ہے یہ تو۔ مجھے غیر ملکی کہہ رہی تھی؟ ظفر نے جواب دیا

اور خالد اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔

"ابے جاہل وہ ٹھیک تو کہہ رہی تھی وہ تو اپنے ملک میں ہے اس نے غلطی کر لی

تم باہر سے آئے اس لئے غیر ملکی ہو۔"

خالد نے لغت کی طرف جاتے ہوئے اسے دکھایا

"حمیرا تو آج ملک ان کو غیر ملکی کہتا اور کھینچتا چلا آ رہا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے

کہ اب ہم غیر ملکی ہو گئے۔"

ظفر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں لغت میں سوار ہو گئے۔ ایک پورٹر بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اس

نے ان دونوں کے بیگ سنبھالے ہوئے تھے

"خود تھ سٹوری؟"

پورٹر نے لغت بوائے سے کہا اور لغت بوائے نے دوا اذہ بند کر کے چار بنر دیا

دیا۔ لغت پورٹر چڑھنے لگی۔

جد ہی لفٹ چڑھتی مندر پر رک گئی اور پھر وہ دونوں پورٹریکس میں گہری
میں چلے گئے۔ پورٹریکس نمبر ۲ کے سامنے جا کر رک گیا۔ اس نے کی بول میں چابی ڈال
کر کھائی اور پھر دروازہ کھول دیا۔
"کشر لین لے چلے غائب۔"

اس نے بڑے مذہب بھیج میں ان سے اندر جانے کے لئے کہا اور فخر اور خالد نے
داخل ہو گئے۔ فخر آٹھ گھنٹیں بھاڑ پھاڑ کر کمرے کی سجاول کو دیکھ رہا تھا۔ واقعی کمرہ
بے حد خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔

پورٹر نے ان کے بیگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور واپس چلا گیا۔

"اب نہالو، پھر نیچے ڈال میں چل کر کھانا کھائیں گے۔"

خالد نے نوم ریز کے لپکیٹ بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اوپر آنے کی کیا ضرورت تھی، کھانا کھا کر ہی اوپر آتے۔ بار بار اوپر نیچے
جانے میں خواہ مخواہ بجلی خرچ ہوگی۔"

فخر نے حجت کرتے ہوئے کہا۔

"بجلی خرچ ہوگی۔" خالد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا

"میں آخر یہ لفٹ بجلی سے ہی چلتی ہوگی، اب فرماتے تو اسے دھکیلنے سے رہتے۔"

فخر نے وضاحت کی۔

"تم نہالو، فخر کی اولاد، نہالو، سوچنے سے صحت پر اثر پڑتا ہے۔"

خالد نے اسے بازو سے پکڑ کر منسل خانے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"اچھا اثر پڑتا ہے یا بڑا، یہ تو تم نے بتایا نہیں،" فخر نے جاتے جاتے مڑ کر وضاحت

طلب کی۔ مگر خالد نے جواب دینے کی بجائے اسے اندر دھکیل دیا۔

"کان کھا جاتا ہے بحث کر کر کے۔"

خالد نے سمجھاتے ہوئے کہا اور دوبارہ آکر بستر پر بیٹھ گیا۔

فخر ڈی ویر بعد وہ دونوں کپڑے بدل کر واپس ہال میں پہنچ گئے۔

"یہاں تو کوئی کرسی خالی نہیں کیا فرش پر بیٹھنا سہوگا۔"

فخر نے چاروں طرف نظر سے دوڑاتے ہوئے خالد سے پوچھا۔

"اور وہ کیسین خالی ہے اس میں بیٹھتے ہیں۔"

خالد نے ایک کیسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دونوں اس

کیسین میں جا بیٹھے۔ ان کے دماغ بیٹھتے ہی ایک ویٹرس ان سے آرڈر لینے پہنچ
گئی۔

"فرمائیے جناب کیا پیش کرسوں۔"

اس نے بڑے مذہب انداز میں میڈوان کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے لئے دل و جان اور ان کے لئے ٹھنڈا پانی۔"

فخر نے فوراً "نہانک لگائی۔"

"جی۔"

ویٹرس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"تم چپ رہو۔" خالد نے اسے ڈانٹ دیا

اور پھر ویٹرس کو آرڈر نوٹ کرانے لگ گیا۔ آرڈر نے کو ویٹرس بائیں ہال گئی

"ان سے مذاق کرنا، اچھا نہیں ہوتا۔" خالد نے ویٹرس کے جانے کے بعد اسے سمجھا رہے ہوئے کہا

"تو صوبہ ہونٹل کے مالک کو ڈھونڈ کر اس سے مذاق کرتے ہیں۔"
ظفر نے فوراً پیشکش کر دی۔

"خدا تم سے پوچھے، خاموش رہنا تو تم جانتے ہی نہیں۔"
خالد نے رنج ہوئے ہوئے کہا۔

"خدا اگر کچھ پوچھے گا تو مجھے جواب دینا ہی پڑے گا۔ بھر خاموش رہنے سے
کیا مطلب تھا۔"
ظفر نے فوراً کہا۔

اور خالد نے تنگ آنکھوں میں انگلیاں دے لیں۔
"یار خالد یہ تباہیہاں بھی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اچانک ظفر نے پوچھ ہی لیا۔
"کیا مطلب، یہاں پردے کی کیا تنگ؟"

خالد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر یہ کیسے بنانے کا کیا تنگ ہے۔ ظاہر ہے یہاں پردہ دار خواتین ہی
بیٹھتی ہوں گی۔"

ظفر نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔

"اے چندیہ کیسے اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ اگر آپ کو کوئی ضروری
باتیں تنہائی میں کرنی ہوں تو یہاں علیحدہ بیٹھ کر کر لیں۔"

خالد نے جواب دیا۔

"دیکھو تم نے ایک بار پھر مجھے چنڈ کہا ہے۔ اب میرا درانی خن نفقہ کھولاؤ گے۔"

قریب پہنچنے والی تھیں۔ آئندہ احتیاط رکھنا ورنہ۔
ظفر نے برا منہ بنا تے ہوئے کہا۔
"ورنہ کیا؟"

خالد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ورنہ وہ نفقہ کھلاؤ تنگ پہنچ جائے گا۔"

ظفر نے معصوم سے ہنس میں جواب دیا۔

اور خالد لکھ بے ساختہ قہقہہ کہیں میں گونج اٹھا۔

اتنے میں ویٹرس نے کھانا نہیں پر لگا دیا اور وہ دونوں کھانے میں
مشغول ہو گئے۔

"کیسا ہے۔ کھانا پسند آیا؟"

خالد نے کھانے کے دوران پوچھا۔

"خاموش رہو۔ کھانا کھاتے ہوئے بولنا شرعاً گناہ ہے۔"

ظفر نے منہ بنا تے ہوئے کہا۔

اور خالد مسکراتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ ابھی انہیں کھانا کھاتے ہوئے چند

لمحوں میں تھے کہ اچانک خالد چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟"

ظفر نے اسے یوں چمکتے دیکھ کر پوچھا۔

"سس" خالد نے ہونٹوں پر اٹھکی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا

اور ظفر ہونٹوں کی طرح منہ بھاڑ سے خاموش ہو گیا۔

”اگر ہمارا مشن کامیاب ہو گیا تو پاکیشیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ یہ نقصان جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔“

ساتھ والے کیمین سے کسی کی دبی دبی آواز سنائی دی۔ اور پاکیشیا کے لفظ نے ہی خالد کو چرکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب فطرت بھی تمام بات سن رہی تھی۔

”آہستہ بولو۔ کوئی سن نہ لے۔“

ایک دوسری غلط آواز سنائی دی۔

”ارے یہاں کون بیٹھا ہے پاکیشیا کا ممبرو اور پھر اگر کوئی سن لے لے تو ہماری تنظیم کے مقابلے میں عید کہاں بھر سکتا ہے۔“

پہلے بولنے والے نے لا پارہی سے جواب دیا۔

”پھر یہی احتیاط ضروری ہے۔ آج ٹینک موبی ہے اس میں اس مشن پر تفصیلی بات چیت ہوگی۔“

دوسرے نے دوبارے لفظوں میں کہا۔

”ہاں رات دس بجے میں پہنچ جاؤں گا۔“

پہلے نے کہا۔

”اچھا اب میں چلتا ہوں فیملے ہاؤس میں ملاقات ہوگی۔“

دوسرے نے کہا۔

”او۔ کے۔“ پہلے نے کہا۔

اور پھر کرسیاں کھینکے کی آوازیں سنائی دیں۔ خالد تیزی سے اٹھا اور پھر کیمین کا پردہ اٹھا کر باہر جھانکنے لگا۔ ساتھ والے کیمین سے ایک خوبصورت عورت اس وقت

نوجوان نکل کر جا رہا تھا۔ خالد دوبارہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ فطرت نے تو خاموش بیٹھا رہا پھر اس سے نہ رہا گیا۔ وہ بغور خالد کے رنگ بدلنے پر چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

”کھانا کھاؤ۔ خواہ مخواہ تفریح بہاؤ نہ کرو۔“

اس نے منبنا تے ہوئے کہا۔

”تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں ہے۔“

خالد نے رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔ اس کی ادھ کھلی آنکھیں تیار رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔

”اگر نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔“

فطرت نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا۔

”تو اٹھو۔ چلو کمرے میں چلتے ہیں۔“

خالد نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اور پھر اٹھ کر کیمین سے باہر نکلنے لگا۔

”ارے اس کا بل تو دیتے جاؤ۔ میری جیب میں تو پمیل نے انڈے

دے رکھے ہیں۔“

فطرت نے اٹھ کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کمرے میں چلو اس کا بل ٹول بل میں شامل ہو جائے گا۔“

خالد نے کہا اور کیمین سے باہر نکلتا چلا گیا۔ فطرت کو بھی مجبوراً اس کی پیروی

کرنی پڑی۔

کمرے میں پہنچ کر خالد نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود

دروازہ بند کر کے اسے لاک کر دیا۔

”آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

ظفر نے اسے زور سے ہرکڑھوڑا دیا۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ ایا کون سا مشن ہوگا جس سے ہمارے ملک کو
’ماتالی تلافی نقصان پہنچے گا۔‘

خالد نے سوچنے کے انداز میں جواب دیا۔

”ارے یار ہوگا کچھ ہم کوئی خدائی فوجدار ہیں۔ آخر ہمارے ملک کے
جاسکس بھی بہتوں کے وہ سارے حرام کی تختیاں تو نہیں بچتے۔ خود ہی نیت
لیں گے ان سے۔“

ظفر نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم برداشت کر لو گے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے ملک کے خلا
سازش کی جاتے اور تم رنگ رلیاں مناتے رہو۔ کیا تمہیں وطن سے قطعی محبت

نہیں ہے؟“

خالد نے اس کی جواب الٹنی کوشش دینے کے لئے کہا۔

”وطن سے محبت سے کس کا فکرو انکا ہے مگر....“ ظفر نے کچھ کہنا

چاہا۔

”اگر مگر کچھ نہیں ہیں اس سازش کا سہ لگانا ہوگا میں یہ برداشت نہیں کر سکتا
کہ کوئی ہمارے پیارے وطن کے خلاف سازش کرے اور ہم سنی ان سنی کر
جائیں۔“ خالد کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔

”مگر دوست ہم کوئی جاسوس مختوڑے ہیں یہ ٹھیک ہے تم جاسوسی ناول
پڑھنے کے شوقین ہو مگر عملی طور پر وہ کچھ نہیں ہوتا جو ناول میں پیش کیا جاتا ہے
اگر ہم نے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو یہ ہیں پہلے قدم پر ہی چوٹی کی
طرح مسل دیں گے۔“

ظفر نے اسے نیش و فراز سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں اگر وطن کی خاطر میری جان بھی چلی جاتے تو میں سمجھوں
ٹکا سودا برا نہیں ہوگا۔“

خالد: ”بشائرا مل فیصلہ کر چکا تھا۔“

”خواہ مخواہ خدایا تو نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے
سفارت خانے کے جاسوس کو اس کے متعلق تیلادیں۔ وہ خود ہی کوئی انتقام کر
نے کا کام لے گا۔“

ظفر نے بھی اب سنجیدگی سے کہا۔

”لیکن سفیر کو تیلادیں گے کیا۔ ہمارے پاس اپنی بات کی صداقت کا گواہی ثبوت
ہے۔ نہیں دوست پہلے ہیں خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ جب ہم سازش کی تمام
تفصیل حاصل کر لیں گے تو پھر سفیر سے بات کریں گے۔“

خالد نے جواب دیا۔

”لیکن جناب میری جان خالو نہیں ہے۔ میں یہاں تقریر کے لئے آیا
ہوں۔ جاسوسی ناول کا ہیرو دینے نہیں۔“

ظفر نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ٹھیک ہے تم اپنی مرضی کے مختار ہو۔ اگر تمہارا بھی فیصلہ ہے تو آج سے تمہارے اور میرے راستے جدا ہیں۔ میں خود ہی پنٹ لوں گا۔"

خالد نے انتہائی سسرور لہجے میں کہا اور پھر اٹھ کر اپنا بیگ اٹھانے لگا۔

"ارے ارے تم تو واقعی سنجیدہ ہو بندہ خدا میں عیلا تم سے علیحدہ رہ سکتا ہوں۔ یہ تم نے کیسے سوچ لیا ہے۔ بھئی تم تو اس بات کے قائل ہیں بہر پارل ووزخ و ہمہ یاراں بہشت۔ اگر تم نے اس آگ میں کودنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ظفر درانی کو کچھ مہینے دیکھو گے۔ ہر چہ بادا باد۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرا خون ناحق تمہاری گردن پر بہے گا۔"

ظفر نے جوش میں پوری تقریر کر ڈالی۔

"مجھے منظور ہے تمہارا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔"

خالد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"ارے کیا واقعی خون دونوں کا سلسلہ بھی ہوگا۔ یاد کس مصیبت میں بھنسا دیا۔"

ظفر نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے جواب دیا۔

اچھا اب سنجیدگی سے میری بات سنو۔ آج رات دس بجے کسی مینٹے ہوئی میں مجرم مینگ کر رہے ہیں۔ ہمیں ضرور دہاں پہنچنا چاہیے۔"

خالد شیرازی نے کہا۔

"مگر مینٹے ہاؤس کا پتہ کون بتلاتے گا؟"

ظفر نے پوچھا۔

"کسی بیرے یا کیسی ڈرائیور سے پوچھ لیں گے۔ در نہ شہر کے تفصیلی نقشے

میں ضرور اس کی نشاندہی کی گئی ہوگی۔"

خالد نے بجز پشیمانی کی۔

"یعنی میری بات سچ نکلی کہ ہم نقشہ کی مدد سے نئی دنیا دریافت کریں گے۔" ظفر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔"

خالد نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے بہر حال میرا کارڈاں تم ہو۔ مجھے تو بس حکم دیتے رہنا۔"

ظفر نے آخر کار مہیا رڈ الی دیتے۔

"او۔ کے۔"

خالد نے جواب دیا اور پھر اس نے بیرے کو بلانے کے لئے کال بلی کا بٹن دبا دیا۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا وہ سب بے اختیار اس کے احترام میں اٹھ
کھڑے ہوئے۔
”بیچو“

آنے والے نے ایک کرسی سجھائے ہوئے گھیر لیجے میں کہا۔
اور پھر اس کے بیٹھے ہی وہ سب بھی خاموشی سے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔
ان کے انداز سے بے پناہ احترام اور قدرے خوف جھلک رہا تھا۔ جیسے
وہ نووارد سے بے پناہ ڈرتے ہوں۔
”ماحقہ ابھی تک نہیں آیا۔“

اس نے عزت سے پوچھا۔
”بس جناب ابھی پہنچنے والا ہو گا۔“

ایک نوجوان نے سر دبانے لہجے میں جواب دیا۔
”وہ کیوں لیٹ ہو گیا جب کہ تم ابھی طرح جھکتے ہو کہ میں معمولی سی
کو تا ہی بھی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“
باس کے لہجے میں عزت بڑھ گئی۔

اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا دروازہ ایک بار کھٹکھٹا اور ایک نوجوان
اندرا داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر قدرے خوف کے آثار تھے۔ کمرے میں
داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹھاک کر رک گیا۔ سامنے بیٹھے ہوئے باس پر نظر پڑتے
ہی اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔

”ماحقہ تم پاؤں میں آگ لے کر آئے ہو۔“ باس نے سر دبانے میں کہا۔

ایک چھوٹے سے کمرے میں اس وقت پابلیج آدمی بیٹھے ہوئے تھے
ان سب کے چہروں پر گہری سنجیدگی کے آثار تھے۔
”باس ابھی تک نہیں آیا۔“

اچانک ان میں سے ایک نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
”لاں اس کے آنے کا وقت تو ہو گیا ہے۔“
دوسرے نے بھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

اسکی لمحے دروازہ کھٹکھٹا اور ایک طویل القامت ادھیڑ عمر شخص اندر داخل
ہوا۔ اس کے چہرے سے غصہ جیسے ٹپک رہی تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ
چمک تھی۔

”بب۔ باس راستے میں کار خواب ہو گئی تھی۔“

ماہقر نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

”ہونہ۔“

باس چند لمحے بڑا ہمت کی طرف دیکھتا رہا۔ مگرے میں موجود باقی سب افراد کے چہرے بھی نرم تھے۔ جیسے کوئی بڑی ٹریجڈی وقوع پذیر ہونے والی ہو۔ مگرے پر گہرا سکوت طاری تھا۔ ایسا سکوت جو کسی طوفان کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔

”بیٹھو۔ میں مشن کے آغاز میں کوئی بدشگونی کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن آئندہ“
باس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

اور ماہقر سمیت سب افراد نے ایک طویل سانس لیا۔ ماہقر کے چہرے پر ایسی سرخی دوڑ گئی جیسے وہ موت کے منہ سے نکل آیا ہو۔

”آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی باس“

ماہقر نے لمبائے لہجے میں جواب دیا۔ اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”راجہ دروازہ لاک کر دو“

باس نے ماہقر کے قریب بیٹھے ایک آدمی سے کہا اور اس نے اٹھ کر چھٹی چڑھا دی

”سنو۔ میں نے ایک نیا کیس لیا ہے اور تمہیں علم ہے کہ میں کوئی چھوٹا موٹا کمین ڈیل نہیں کرتا۔ چنانچہ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی ہمارے پاس ایک بڑا خطرناک کام ہے۔ اس کام کا ہمیں ہماری امیدوں سے بھی زیادہ معاوضہ

ملے گا۔ اس لئے اس کام میں کسی قسم کی معمولی سی کوتاہی بھی ناقابل برداشت ہوگی۔“

باس نے مہمید باندھی اور پھر باری باری سب کے چہروں کو دیکھنے لگا۔ جیسے وہ اپنی بات کا ردعمل ان کے چہروں پر دیکھنے کا خواہشمند ہو لیکن سب پات چہرے لئے اسے دیکھ رہے تھے۔

”ہونہ تو سنا اب تم نے جو کام کرنا ہے وہ یہ کہہ...“

ابھی باس نے منصوبے کا انکشاف کرنا ہی چاہا تھا کہ باہر اچانک شور مچا اور پھر ایک آدمی کے نیچے گرنے کی آواز سنائی دی۔

باس سمیت سب لوگ چونک پڑے

”یہ کیا ہو رہا ہے۔ راجہ معلوم کرو۔“

باس نے تیز لہجے میں کہا۔ اور پھر راجہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ابھی اس نے لاک کھولا ہی تھا کہ دروازے کے دونوں پٹ ایک

دھماکے سے کھل گئے۔ اور سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا۔ اس کی لپٹ پر ایک آدمی نے ریوادر کی نال لگائی ہوئی تھی۔

”نوجوان کے چہرے پر سخت گھبراہٹ اور پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے اس کا چہرہ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سرن شیروں کی کچھار میں غلطی سے آگیا ہو۔“

”کون ہے یہ مارٹن“ باس اب کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے نوجوان

کی پشت پر موجود ریلو اور بردار سے سوال کیا۔

مارٹن نے نوجوان کو اندر دھکیلا اور پھر خود بھی اندر آ گیا۔

"باس یہ نوجوان اوپر گیسری میں چڑھا تو اکرے کے اندر جھانک رہا تھا"

مارٹن نے متوہانہ ہلچے میں جواب دیا۔

"کون ہو تم اور کیوں اندر جھانک رہے تھے؟"

باس نے انتہائی خفے کے عالم میں نوجوان سے سوال کیا۔

"مم۔ مم۔ معاف کیجئے میں گیسری میں جا رہا تھا کہ روشندان نظر آیا۔ میں نے

سوچا شاید یہ کسی حبیبہ کے غسل خانے کا روشندان ہے۔ اس لئے جھانک

رہا تھا۔ مگر۔۔۔۔۔"

نوجوان نے انتہائی بدکھلتے ہوئے ہلچے میں جواب دیا۔

"میں تو تم حبیبہ کے غسل خانے میں جھانک رہے تھے۔ پاس کو غصے کے

ساتھ ساتھ سہنی بھی آرہی تھی۔ نوجوان کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے

وہ قطعی ہرج بول رہا ہوں۔

"جج۔ جی ہاں غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیجئے۔ اب روشندان تو روشندان

غسل خانے کے دروازے سے بھی نہیں جھانگوں گا۔"

نوجوان نے ماقاعدہ ماتحتہ جڑت سے ہوتے کہا۔ اس کے چہرے پر ہتیمی کا اشارہ

بہرہ رہا تھا۔ اور پاس اس انجمن میں تھا کہ اس نوجوان کا کیا کرے۔

"تم کون سے ملک کے رہنے والے ہو؟"

آخر پاس نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"کانفرنس کا جناب"

نوجوان جہ نظر تھا۔ اس نے جان بوجھ کر پاکیشیا کا نام لینے سے گریز کیا۔

"اوہ"

باس نے ہنکا رہا تھا اور پھر کچھ سوچ کر اس نے مارٹن کو حکم دیا۔

"اے بلڈنگ سے باہر چھوڑ آؤ۔"

"لیں پاس"

مارٹن نے جواب دیا۔

"اور سنو نوجوان آئندہ کسی روشندان سے جھانکنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ

گوئی مار دی جاتے گی۔"

باس نے طفرے سے مخاطب ہو کر سخت ہلچے میں جواب دیا۔

"ب۔ ب۔ بہت بہتر جناب آپ کا حکم سرائی گھوڑوں پر"

نوجوان نے جان بچنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور پھر مارٹن اسے

لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ راجہ نے آگے بڑھ کر دروازہ دو بار دھاک دیا

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پاکیشیا کے سفارت خانہ کی آپ لوگوں نے کس نگاہی

کرتی ہے اور راجہ تم سیفر کی نگرانی کر دو گے۔ دو دن بعد یہاں ایک بین الاقوامی

سائنس کانفرنس ہونے والی ہے۔ اس میں پاکیشیا کے روشندان شرکت کر

رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان سائنسدانوں کو سفارت خانے میں پھنسا دیا جائیگا

اور ان کی حفاظت کی جائے گی کیونکہ وہ ایک نئے سائنسی فارمولے کا انکشاف

کرنے والے ہیں۔ ہم نے اس فارمولے کے کاغذات حاصل کرنے ہیں۔"

باس نے ابھی تفصیل بتلائی۔

”یہ تو بڑا آسان کام ہے باس سائنسی کانفرنس تو تھا ہر بے سفارت خانے سے باہر ہوگی چنانچہ جب وہ سائنسی کانفرنس میں شرکت کے لئے جائیں انہیں انوکھے مان سے کاغذات حاصل کر لئے جائیں“

ایک آدمی نے اپنی راستے پیش کی۔

”نہیں تمہارا خیال غلط ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ جو کام بظاہر جتنا آسان نظر کرے گا وہ درحقیقت اتنا ہی مشکل ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی کام لاپرواہی سے نہیں کرنا چاہیے۔“

باس نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا اب آپ لوگ جائیں باقی احکامات میں آپ کو فون پر دیتا رہوں گا۔ بہر حال دنیاوی مشغولہ میں نے آپ لوگوں کو بتلا دیا ہے۔ اس کو نظر میں رکھیں۔“

باس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے ساتھ ہی باقی لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر باری باری سب دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

”جیاد بھاگ جاؤ اگر آئندہ ادھر کارخ کیا تو تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔“

مارٹن نے بلڈنگ کے مین گیٹ پر پہنچ کر غصہ کو ایک زوردار دھوکا لگاتے ہوئے کہا۔

”شش شش شکر یہ جناب“

غفر نے جوا جاکم دھکے سے لڑکھڑائیگا تھا سہکلاتے ہوئے جواب دیا اور پھر تیزی سے سڑک کراس کر کے آگے بڑھ گیا۔

مارٹن چند لمحے بعد اسے جاتا دیکھتا رہا پھر کندھے جھٹک کر واپس مڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باس زندگی میں کبھی اتنا رحم دل واقع نہیں ہوا پھر آج اسے کیا ہو گیا جو اس نے اس نوجوان کو یوں زندہ جانے کی اجازت دی۔ آخر اس نے

یہ سوج کر ذہن کو مطمئن کر لیا کہ ہاس کسی غیر متعلق مصیبت میں پڑنا نہیں چاہتا ہو گا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا دوبارہ گیلری میں آگیا اور پھر جیسے ہی وہ گیلری کا کونہ مڑا اس کی گردن پر قیامت ٹوٹ پڑی۔
 ضرب کافی سے زیادہ شدید تھی مگر مارٹن اپنے حلقے کا مشہور فائبرٹ تھا۔ اس لئے ایک لمحے کے لئے تو اس کا دھماکا دھماکا ہو گئے مگر دوسرے لمحے وہ سنبھل گیا اور پھر سنبھلتے ہی وہ مڑا۔ اچانک ضرب کی شدت سے اس کے ہاتھوں سے ریو اور بھی گر گیا تھا اور اب وہ خالی ہاتھ تھا اور پھر جیسے ہی وہ مڑا ایک نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش اور رنگ دیکھ کر وہ ایک لمحے میں سمجھ گیا کہ یہ پہلے والے نوجوان کا ساتھی ہے۔ نوجوان کے ہاتھ میں لوبے کا رڈ تھا اور وہ اسے اتنی شدید ضرب کھانے کے باوجود دیوں اطمینان سے مڑتے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے تو اپنی طرف سے سلاح مارنے میں پوری قوت صرف کر دی تھی مگر مقابل پر اس کا اثر دیکھ کر وہ حیرت سے دنگ کھڑا تھا۔

اسی لمحے مارٹن نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ مارٹن کی چھلانگ اتنی چھٹی تھی کہ مقابل میں موجود نوجوان جو یقیناً خالد تھا اس سے نہ بچ سکا اور پھر مارٹن اسے رگیدرتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ دوسرے لمحے مارٹن کا ایک زوردار کد اس کے پیٹ پر پڑا اور پھر خالد پیٹ پر کد کر پے اختیار دہرا ہوا پلا گیا اور مارٹن نے دونوں ہاتھ ملا کر ایک زوردار دھچک مارا۔

کی گردن پر مارا اور خالد فرش پر دھیر ہو گیا۔

مارٹن نے ایک طویل سانس لی اور پھر تیزی سے گیلری کے فرش پر پڑے ہوئے اپنے ریو اور کی طرف مڑا۔ مگر اسی لمحے فرش پر پڑے ہوئے خالد نے بجلی کی سی تیزی سے حرکت کی اور ہاتھ بڑھا کر مارٹن کی ٹانگ کچلی۔ مارٹن جو بڑے مطمئن انداز میں آگے بڑھ رہا تھا منہ کے بل پوری قوت سے فرش پر آگرا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھا خالد اس طرح اپنی جگہ سے اچھلا جیسے فرش پر اچانک سپر ہنگ نکل آتے ہوں اور دوسرے لمحے اس نے فرش پر پڑا ہوا ریو اور اٹھایا۔
 "کھڑے ہو جاؤ۔"

خالد نے اپنی ٹانگ کو زور دے بنا تے ہوئے کہا۔ ریو اور اس کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ ایک انسان پر ریو اور اٹھا تے کھڑا تھا۔

مارٹن کی ناک سے خون نکل رہا تھا۔ وہ آستین سے خون پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی کمینہ تو زلفظیں خالد پر جمی ہوئی تھیں اور پھر اس کی تیز نظروں سے خالد کے ہاتھ کی کپکپاہٹ چھپی نہ رہ سکی۔ وہ سمجھ گیا کہ خالد اس معاملے میں انارٹی ہے۔ اس لئے اس کے چہرے پر اطمینان تھا اور پھر وہ اسی اطمینان سے خالد کی طرف بڑھنے لگا۔

"میں کہتا ہوں وہیں رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

خالد کے لہجے میں غراہٹ تھی مگر مارٹن سے اس کے بچے کا کھوکھلا پن چھپا

نہ رہ سکا۔ اس نے اس نے خالد کے حکم کی پروا نہ کی اور ایک قدم اور لگے
بڑھا دیا۔

خالد نے اسے ڈرانے کے لئے ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ بڑھا دیا اور
پھر جو کچھ ہوا وہ خالد کی توقعات کے بھی خلاف تھا

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ساتھ ہی مارٹن کے حلق سے چیخ
نکل پڑی۔ گولی سیدھی مارٹن کے سینے میں گھسٹی چلی گئی تھی اور وہ لہرا کر
فرش پر گر پڑا تھا۔

خالد ایک لمحے کے لئے سن ہو کر رہ گیا۔ دوسرے لمحے اس نے بدک
کر ریو اور بھینک دیا۔ مارٹن کے سینے سے خون ابھی تک ابل رہا تھا اور
خالد کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس نے مارٹن کو نہیں اپنے آپ کو گولی مار
دی ہو۔ اور پھر اسے اپنی نازک پوزیشن کا خیال آیا اور دوسرے لمحے
وہ تیزی سے شیر حیاں اترتا چلا جا رہا تھا۔

جیسے ہی وہ نیچے پہنچا ایک آدمی نے اسے دک کر پوچھ ہی لیا۔
"یہ دھماکہ کیا تھا؟"

"خون۔ قتل۔ اور قتل ہو گیا ہے۔" خالد نے کہا۔ اور پھر تیزی سے آگے
بڑھتا چلا گیا۔ سوال کرنے والا آدمی اس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حیرت
سے اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔

خالد تیزی سے بلڈنگ کے دروازے سے باہر آیا اور پھر ہجوم میں
مل گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اسے ہر آدمی اپنا دشمن

نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کے سامنے ہی پولیس کی گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی
بلڈنگ کی طرف جاتی ہوئی گزریں۔ اور اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا
گر تا پڑتا سوہ ہوٹل امپالہ پہنچا اور پھر لفٹ میں سوار ہو کر وہ اپنے
کمرے کے دروازے پر آ گیا۔

دروازے کو دھکیل کر وہ اندر آیا تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ سامنے ظفر اپنے
دو دنوں ہاتھوں سے اپنے کان پکڑنے اٹھک بیٹھک کر رہا تھا۔

خالد جھم سے صوٹے پر گر گیا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے اب وہ زندگی
بھر صوٹے پر ہی رہنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ ظفر جو اس کی آمد پر رک گیا تھا
اسے بغور دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔ کسی بلڈنگ کا چکر لگا آئے ہو۔"

اس نے خالد کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا
"کیا مطلب؟"

خالد جو کسی خیال میں گم تھا ظفر کی اس بات پر چونک پڑا۔

"تمہارے چہرے پر خون کا ایک بھی قطرہ موجود نہیں ہے سارے
جسم کا خون دینے کی کیا ضرورت تھی۔ دس بیس بوتلیں ہی کافی تھیں۔"

ظفر نے طنز بہہہے میں جواب دیا۔

"یکومت مجھے ایک گلاس پانی دو۔ میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

خالد نے ظفر کو منہ نشی بہہے میں کہا۔

"اگر ڈوبنے میں صرف ایک گلاس کی کمی رہ گئی ہے تو اچھی لا دیتا ہوں"

مگر یہ بتلاؤ موت کے منہ سے تو میں بچ کے آ رہا ہوں اور رنگ مہارا
زرد پڑ چکا ہے۔"

ظفر نے ٹوائٹلٹ کی طرف گھومتے ہوئے کہا۔

"تم موت کے منہ سے بچ آئے ہو اور میں کسی کو موت کے منہ میں دھکیں
آ رہا ہوں۔"

خالد نے ڈوبتے ہوئے پہلے میں جواب دیا۔

اور ظفر ٹوائٹلٹ کا دروازہ کھولتے کھولتے رک گیا۔ ایک لمحے کے لئے
اس نے سوچا اور پھر اس کا رنگ بھی زرد پڑ گیا۔

"تو کیا تم کسی کو قتل کر آئے ہو۔" اس نے سہکاتے ہوئے سوال کیا
"ہاں اسی شخص کو جس نے تمہیں پکڑا تھا۔"

خالد نے جواب دیا

"اوہ۔" ظفر خاموش ہو گیا۔

وہ بغور خالد کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ خالد بھی آنکھیں بند کئے گھرے
گھرے سانس لے رہا تھا۔

"دوسرے لمحے ظفر نے ایک طویل سانس لی جیسے کسی فیصلے پر پہنچ

گیا ہو اور پھر وہ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر گھس گیا۔ چند لمحوں بعد

وہ پانی سے بھرا ہوا گلاس لے کر واپس آیا۔

"یہ لو پانی پی لو اور اپنی حالت سنبھالو۔ تم ملک کے خلاف کی جانے والی
سازش کے سنجے آدھیرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ پہلے ہی قدم پر گھبرائے۔"

ظفر کے لیے میں انتہا درجے کی خود اعتمادی تھی۔ اور اس کا لہجہ کس کر خالد
کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ڈوبتے ڈوبتے اچانک کسی ساحل پر آ پہنچا ہو۔ اس
کی گھبراہٹ ظفر کے ایک فقرے سے یوں دور ہو گئی جیسے سورج کی روشنی
میں تاریکی منہ چھپا لیتی ہے۔ واقعی سخت گھبراہٹ میں کسی کا ایک سہرا داد
بولی آدمی کے دل کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ اس نے ایک طویل سانس لیتے
ہوئے پانی پیا اور پھر گلاس تپائی پر رکھ دیا۔

"تم یہ کان پکڑنا اٹھک میٹھک کیوں کر رہے تھے۔" خالد کے لہجے
میں دہری شگفتگی اور خود اعتمادی لوٹ آئی تھی۔ جو اس سے پہلے اس کی
گفتگو کا خاصا تھی۔

"میں دراصل اس کام سے توبہ کر رہا تھا۔ مگر اب یہ توبہ مغضول ہو گئی ہے۔"
ظفر نے دروازہ بند کر کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس کے چہرے پر عجیب قسم کی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"آج تم نے مجھے مرنے سے بچا لیا اور نہ میرا دل ڈوب چکا تھا۔" خالد
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو ابیدائے عشق ہے۔"

ظفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے ٹھیک کہا جب ہم اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھا چکے ہیں تو پھر یہ

معمول باتیں ہمارے سامنے کیا معنی رکھتی ہیں۔"

خالد کی خود اعتمادی اب پوری طرح لوٹ آئی تھی۔

”مگر یہ سب کچھ کیسے ہوا“

ظفر نے سوال کیا اور جواب میں خالد نے اسے پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔
”تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔ مجرم کبھی مدعی بن کر سامنے نہیں آتے گے۔ شکل
یہی ہے جو پولیس کو وہیں کوئی لاش دستیاب ہو۔ پولیس کو شاید بدلتنگ سے ہی
کسی غیر متعلق آدمی نے ٹیلیفون کیا ہوگا۔“ ظفر نے اس کی دھارس بندھاتے
ہوئے کہا۔

”دیکھو کیا ہوتا ہے۔ بہر حال اب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں کا کیا ڈر“
خالد نے پھکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

”تم نے ان کے پروگرام کے متعلق بھی کچھ سنا۔ میں تو اسی لئے جان بوجھ
کر سلسلے آگیا تھا تا کہ اس کی نظر میں تم پر نہ پڑیں“
ظفر نے جواب دیا۔

”ہاں ان کے بنیادی منصوبے کا مجھے علم ہو گیا ہے۔ آخری ٹخوں میں وہ ناہنجار
اچانک ٹپک پڑا۔ اور یہ واقعہ پیش آگیا“
خالد نے جواب دیا

اور وہ اسے مجرموں کے منصوبے سے آگاہ کرنے لگا۔

ایئر پورٹ کے ایک کونے میں خاصی چہل پھل تھی۔ پاکیشیا کا سفیر اپنے تمام
اعلیٰ سمیت آنے والے جہاز کا انتظار کر رہا تھا جس میں اس ملک کے دو عظیم
ساتھ دان بین الاقوامی سائنس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے آ رہے
تھے۔ سفیر کو ہر کاری طور پر ان کی حفاظت کے خاص انتظامات کا حکم دے دیا
گیا تھا۔ اس لئے سفیر اور اس کا عملہ پوری طرح چونکا تھا۔ ویسے میزبان ملک کی
آہنی جس بھی حفاظت کے لئے وہاں موجود تھی۔

”فاکس ریگ اور ڈاکٹر رشید کے پاس بے حد اہم کاغذات ہیں۔ اس لئے
ان کی حفاظت کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی ناقابل برداشت ہوگی۔“
سفیر نے اپنے قریب کھڑے ایک ادھیر عمر شخص سے مخاطب ہو کر کہا۔

”آپ بے فکر ہیں جناب ان کی حفاظت کا معقول بندوبست کر لیا گیا ہے۔“
ادھیڑ عمر شخص نے نمودارہ لہجے میں جواب دیا۔

ایئرپورٹ کے دوسرے کونے میں خالد اور ظفر بھی موجود تھے۔ ظفر کے چہرے پر ہلکی ہلکی وارمھی اور لمبی لمبی مونچھیں عجیب بہار دکھلا رہی تھیں۔ یہ میک اپ اس کی اپنی ایجاد تھی۔ وہ اپنے ملک کے سٹیج ڈراموں کا ایک مشہور فنکار تھا اس لئے میک اپ کے متعلق اس کو خاصی معلومات اور قدرے وسیع تجربہ تھا۔ خالد نے اس کے ہاتھ سے میک اپ کرانے سے انکار کر دیا تھا۔

”ہوشیار رہنا ظفر شاید مجرم آج ہی ہاتھ ڈال دیں“

خالد نے ظفر سے مبرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

تینے نکر ہو۔ میری جیسے جینے دیوالیہ موجود ہے اور دل میں کم از کم دس آدمیوں کے قتل کی خواہش، آخر پگھلیزی خونخوار میرے اندر دوڑ رہا ہے کوئی مذاق حقوڑی ہے۔ اگر شیرازی جیسا بزدل ایک آدمی مار سکتا ہے تو چنگیزی کم از کم دس آدمی تو قتل کر ہی سکتا ہے۔“

ظفر نے جواب میں تقریر کو ڈالی اور خالد مسکرا کر رہ گیا۔

ان دونوں نے آج ہی بازار سے اچھی قسم کے ریوالور خریدے تھے۔ اس ملک میں اسلحے کی خرید و فروخت پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ اس لئے انہیں ریوالور حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پھر جہان کی آمد کا اعلان ہوا اور ظفر اور خالد دونوں چوکنے لگے۔ چند

لمحوں بعد جہان زندہ کر گیا اور پھر دروازہ کھلا اور سامنے فریچے اترنے لگے۔ سفیر اور اس کا عملہ تیزی سے آگے بڑھا اور پھر سب سے آخر میں دو پرکشش نگراں میٹر عمر کے آدمی ہاتھوں میں برلیف کیس اٹھائے نیچے اترے۔ سفیر نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور پھر اپنے ساتھیوں سے تعارف کرانے کے بعد وہ انہیں لئے دی۔ آئی۔ پی۔ روم کی طرف بڑھ گیا۔

”جیو یا ہرٹیکسی سینڈ گے پاس چلیں۔“

خالد نے ظفر کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ٹیکسی سینڈ کی طرف بڑھ گئے۔ دی۔ آئی۔ پی۔ روم کا بیرونی دروازہ سامنے نظر آ رہا تھا۔

چند لمحوں بعد ایک سیاہ رنگ کی کیڈ ٹک دروازے کے سامنے جا کر رکی جہاں پر پائیشیا کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

چند لمحوں بعد دونوں ڈاکٹر سفیر کے ساتھ دروازے سے نکلے اور کاریں سوار ہو گئے۔ کار ایک ٹرن لیتی ہوئی آگے بڑھی۔ ابھی کار تھوڑی ہی دور گئی ہوئی کہ ٹیکسی سینڈ میں رکی ہوئی ایک سبز رنگ کی بڑی سی کار سینڈ سے نکل کر ان کے پیچھے ہوئی۔

خالد یہ آدمی جو سبز رنگ کی کار کو ڈواپور ہو کر رہا ہے اس میٹنگ میں موجود تھا۔ میں نے اسے اچھی طرح پہچان لیا ہے۔“

ظفر نے خالد کی توجہ سبز رنگ کی کار کی طرف دلاتے ہوئے کہا۔

”ہوں اس کا مطلب ہے میرا اندیشہ درست تھا۔ عکلا مجرم ابھی ہاتھ ڈالنا چاہتے

ہیں۔ خالد نے کہا

اور پھر اس کی نظریں تیزی سے ادھر ادھر گھومنے لگیں وہ شاید کسی سواری کو تلاش کر رہا تھا۔ دوسرے لمحے ایک موٹر سائیکل ان کے قریب آ کر رکی اور اس پر سوار ایک مٹری آفیسر اتار کر تیزی سے وہی آتی پنی روم کی طرف بڑھا۔

خالد نے ظفر کو اشارہ کیا اور وہ دونوں تیزی سے موٹر سائیکل کی طرف بڑھے۔ خالد نے ہینڈل کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور ہینڈل میں فٹ تالا ٹوٹ گیا۔ خالد اچھل کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا اور سیلف سٹارٹ موٹر سائیکل کا انجن بٹن دبتے ہی جاگ پڑا۔ خالد نے موٹر سائیکل ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ ظفر اچھل کر کچھ سیٹ پر براجمان ہو گیا اور خالد نے پوری رفتار سے موٹر سائیکل ادھر دوڑا دی جبکہ وہ دونوں کاریں گئی تھیں۔

ظفر نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ آفیسر جس کا موٹر سائیکل تھا وہی آتی پنی روم کے دروازے پر کھڑا نہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ موٹر سائیکل کی آواز سن کر مڑا تھا۔

"جبہمی کرو دروہ موٹر سائیکل کا مالک کسی کاریں ہمارا پیچھا شروع کر دے گا۔" ظفر نے خالد سے کہا۔

اور خالد نے ایکسپریس اور گھما دیا۔ موٹر سائیکل اب انتہائی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ پھر جبہمی وہ سبز رنگ کی کار کے پیچھے پہنچ گئے۔

سبز رنگ کی کار اور اس سے آگے جانے والی سیاہ رنگ کی کار جیسے ہی ایک موٹر مٹی اچانک سبز رنگ کی کار سے ایک لمحہ باہر نکلا اور پھر کوئی

چیز اچھل کر سیاہ رنگ کی کار پر جا پڑی۔ شاید اسی لمحے ڈرائیور نے سپیڈ تیز کی تھی۔ اس لئے گرنیڈ اس کے پچھلے منہ لگاؤ سے ٹکرا کر سڑک پر گر گیا تھا۔ سبز رنگ کی کار نے ایک ٹرن لیا اور پھر سڑک پر ہم سے بن جانے والے گڑھے سے بچ کر آگے بڑھ گئی۔ یہ سڑک خاصی منہان تھی۔ اس لئے مجرم پوری خود اعتمادی سے اپنا کام کر رہے تھے۔

"ظفر جبہمی کار کے ٹائر برسٹ کر دے۔" خالد نے ہینڈل پر جھکے ہوئے کہا۔

اور وہ موٹر سائیکل کو کار کے عین پشت پر دوڑا رہا تھا تاکہ کاریں پیٹھ ہوئے ڈرائیور کو وہ نظر نہ آ سکے۔

اب سبز رنگ کی کار سے مالتھ دوبارہ نکلا۔ مگر اس سے پہلے کہ اس مالتھ میں کپڑا اٹھا ہم سیاہ رنگ کی کار پر پہنچا۔ ظفر نے اچانک فائر کر دیا۔ گوں کا نشانہ صحیح نہیں تھا مگر وہ مالتھ تیزی سے اندر غائب ہو گیا۔

"احسن ٹائر پر گولی چلاؤ۔" خالد نے جھکے جھکے چیخ کر کہا۔

اور پھر ظفر نے ٹائر پر گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ مگر اس کی ایک بھی گولی نشانے پر نہ لگی اور دوسرے لمحے اچانک سبز رنگ کی کار کے ٹائر ایک طویل چیخ مار کر سڑک کے سینے پر جم گئے۔ ڈرائیور نے یکدم پوری قوت سے بریک مار دی تھی۔

اور پھر خالد نردس ہو گیا۔ اس نے کبھی پوری قوت سے موٹر سائیکل کو

بریک مارا تھا مگر فاصلہ کم اور تیز رفتار ہونے کی وجہ سے موٹر سائیکل بدلت
نہ رک سکا اور پھر ایک زوردار دھماکے سے موٹر سائیکل سبز رنگ کی کار کی
پشت سے ٹکرایا گیا۔

خالد اور خضر دونوں اڑتے ہوئے سڑک کی ایک طرف موجود باڑ پر
جا پڑے۔ باڑ پر گرنے کی وجہ سے وہ چوٹوں سے تونچ گئے۔ مگر خضر کو
تک ان کے اعصاب سن ہو کر رہ گئے تھے۔

سبز رنگ کی کار دھماکے کے فوراً بعد شارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی
انہوں نے شاید پٹ کر دیکھنے کی ضرورت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ کیونکہ ان
کے خیال میں یہ دونوں اب کم از کم چھ ماہ تو ضرور ہسپتال میں گزاریں گے
اور پھر سب سے پہلے خالدا کو ہوش آیا وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا جسم پر
چوٹیں ضرور آئی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی خطرناک نہیں تھی۔ اس نے
کھڑے ہو کر تیزی سے گیسٹے جھاڑے اور پھر دوسری طرف پڑے ہوئے
خضر کی طرف بڑھا۔ خضر بڑے عجیب انداز میں باڑ کے اوپر پڑا تھا۔ اس کا چپلا
آدھا جسم تو باڑ کے اوپر تھا اور باقی جسم زمین کی طرف لٹکا ہوا تھا۔ وہ اس کی
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں بلکہ بہتر لفظوں میں بھٹی ہوئی تھیں اور وہ بے حس و
حرکت باڑ سے الٹ لٹکا ہوا تھا۔ خالدا نے تیزی سے اسے سیدھا کیا اور
دوسرے لمحے خضر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ حیرت سے اپنے جسم کو
دیکھ رہا تھا۔

”اوسے بچ گئے میں تو سمجھا تھا اب میڈیکل کالپوریشن والے آکر ٹھائیں گے۔“

خضر نے حیرت سے اپنے جسم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلو جلد ہی کرو۔ ہم نے مجرموں کا پیچھا کرنا ہے۔“

خالدا نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

”لغت بھیجو مجرموں پر ایس ہو گئی جاسوسی۔ میری جان فالتو نہیں ہے

اور ویسے بھی میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔“

خضر نے بازو چھڑاتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

”چلو یا رنخسے نہ کرو ہم وطن کی خاطر جدوجہد کر رہے ہیں۔“

خالدا نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔

”بخشش بی بی، چوہا لٹو اور اسی بھلا۔ بس جاسوسی کا اتنا تجربہ ہی کافی

ہے۔ میں تو اتنے دلی ساتھیوں کو مصیبت کر جاؤں گا کہ بیٹا سب کچھ کرینا

بس صرف جاسوسی نہ کرنا۔ غضب خدا کا کس زور سے موٹر سائیکل ٹکرایا تھا میں

تو کلمہ بھی نہ پڑھ سکا۔ اگر میں انا اللہ ہو جاتا تو جنت بھی نصیب نہ ہوتی۔“

خضر نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”یار آج پتہ چلا کہ درانی بے غیرت ہوتے ہیں۔“

خالدا نے برا سامنے جاتے ہوئے لپک زبردست نفیاتی وار کیا۔

”کیا کہا تم نے درانی اوسے غیرت۔ اگر تم میرے دوست نہ ہوتے تو خدا

گواہ ہے ابھی تمہاری لاش ٹرپ رہی ہوتی۔“

خضر نے جو ٹیلے بھیجے میں جواب دیا۔

”یہ بے غیرتی نہیں تو اور کیا ہے کہ زراسی ٹکمر لگی اور آپ میدان چھوڑ کر

بھاگنے کے لئے تیار ہو گئے۔

خالد نے سڑک کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ بات ہے۔ کون کا فرمیدان چھوڑ رہا ہے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا“

ظفر نے اپنی غیرت کی حفاظت کرتے ہوئے کہا۔

”تو چلو پھر آؤ دیکھیں کتنے غیرت مند ہو۔“

خالد نے ایک طرف پڑا ہوا ریو اور اٹھا لیا۔

ظفر نے بھی پارک کے قریب پڑا ہوا اپنا ریو اٹھا لیا اور پھر وہ دونوں

سڑک کی دوسری سائیڈ میں پڑے ہوئے موٹر سائیکل کی طرف بڑھے۔ مگر اسی

لمحے ان کے کان میں پولیس سائرن کی آواز پڑی۔ وہ دونوں ٹھٹھک کر

رک گئے۔ سائرن کی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔

”بھاگو پولیس آ رہی ہے“

خالد نے ظفر کا بازو پکڑ لیا اور سائیڈ کی گلی میں دوڑ لگا دی۔

”یار یہاں کی پولیس نجوم تو نہیں جانتی کہ ابھی واقعہ ہوا اور یہ بھاگ

پڑے۔“

ظفر نے بھاگتے ہوئے پوچھا۔

”بھئی یہاں کی پولیس مقتدی میں اپنی نشانی نہیں رکھتی۔ اب دیکھو جس

کا موٹر سائیکل ہم نے آتے ہیں اس نے بھی لاڈ مار پورٹ کی ہوگی۔ پھر ہم کا دھماکہ

اور ایکسیڈنٹ کا دھماکہ اب یہ تمام کڑیاں ملاؤ تو پولیس کی آمد کا راز کھل

جاتا ہے۔“ خالد نے باتا جادہ کجٹ کرتے ہوئے کہا۔

”یار اب تو مجھے تم سنجوئی معلوم ہونے لگے ہو۔“

ظفر نے کھیاتے ہوئے بلجے میں جواب دیا۔

اب وہ ایک اور معروف سڑک پر پہنچ گئے تھے۔ پھر دوسرے لمحے وہ ایک

خالی ٹیکسی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

”سفارت خانہ پاکیشیا لے چلو“ خالد نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور حیرت سے ان کے اچھے ہونے بال اور پیٹ

ہونے کیڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خاص طور پر ظفر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

پھر چند لمحوں بعد ٹیکسی ایک دھچکے سے رگ گئی اب وہ ایک کافی بڑے کھانا

میں تھے۔

”یہ تم کہاں لے آتے۔“ خالد نے چونک کر ٹیکسی ڈرائیور سے سوال کیا

”آپ اپنی مصنوعي وارنٹی ٹھیک کر لیں۔ وہ اپنی جگہ سے کھکی ہوئی ہے اور یہ

پولیس اسٹیشن ہے۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے ظفر سے بلجے میں ظفر سے کہا اور پھر تیزی

سے نیچے اتر گیا۔

”مارے گئے۔“ ظفر نے تیزی سے مصنوعي وارنٹی اتارتے ہوئے کہا اور

پھر سامنے سے پولیس کے سپاہیوں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں

بند کر لیں۔

اب وہ واقعی چھٹی گئے تھے۔ یہاں کی پولیس کی تسلی کرنا تقریباً ناممکن

ہی تھا۔

دروازہ پہلی دستک میں ہی کھل گیا اور وہ دونوں سر جھکاتے اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک کافی بڑی میز کے چھپا بیٹھا تھا۔
لحیم شمیم آہ می انہیں تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

رپورٹ

بیٹھے ہوئے آدمی نے انتہائی گرفت لہجے میں سوال کیا۔

”ناکامی باکس“

ان میں سے ایک نے کانپتے ہوئے لہجے میں سوال کیا
”دوسرا سر جھکاتے خاموش کھڑا رہا۔“

”کیا“ باس نے دھاڑتے ہوئے کہا اور پھر کرسی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھ آیا۔ اس کا چہرہ بھیانک ہو گیا تھا۔ اور آنکھوں میں زہریلی چمک ابھر آئی تھی۔

”تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تم ہوش میں ہو۔“

باس نے ان کے قریب آکر مڑاتے ہوئے کہا۔

”یس باس ہم اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے اگر دینیان میں رخصت نہ پڑ جائے“
اسی نوجوان نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ سخت سے درد پڑ چکا تھا۔
”تفصیل بتلاؤ۔“

باس نے دھاڑتے ہوئے پوچھا

”باس ہم نے سفارت خانے کی کار پر بم مارا تھا۔ مگر وہ بچ گئے۔ اس سے پہلے کہ ہم دوسرا بم مارتے ہم پتہ پیچھے سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ دو غیر ملکی نوجوان ایک موٹر سائیکل پر سوار ہو کر ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ ہم نے کار کو اچانک بریک مار کر ایک یڈنٹ کر دیا۔ مگر پھر جب ہم آگے بڑھے تو سفارت خانہ کی کار سفارت خانہ کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔“

اسی نوجوان نے تفصیل بتلائی۔

”وہ لوگ کون تھے جو تمہارا پیچھا کر رہے تھے۔“

باس نے سوال کیا۔

”معلوم نہیں جناب“

نوجوان نے جواب دیا۔

”کیا وہ مر گئے؟“

باس نے دو سراسوال کیا۔

”معلوم نہیں جناب یہیں سفارت خانہ کی کارکنہ بچا کرنے کی جلدی تھی۔
دیے جتنا زبردست دھاکہ ہوا تھا اس سے ان کے بچنے کی امید تو نہیں۔“

نوجوان نے جواب دیا۔

”سہریات معلوم نہیں، سہریات معلوم نہیں، ناکامی، ناکامی، تم لوگ سخت

نا اہل ہو۔“

باس چیختا ہوا دوبارہ کرسی کی طرف بڑھا۔

”باس اس بار صاف کر دیں، آئندہ ہم کبھی ناکام نہیں ہوں گے۔“

دوسرے نوجوان نے جواب تک خاموش کھڑا تھا۔

”معافی کس بات کی معافی، تم لوگ معافی کے قابل ہو۔ تمہارے جیسے نا اہل لوگوں
کی تجھے ضرورت نہیں۔ اس لئے تم چھٹی کر دو۔“

باس نے کسی پر میٹھے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس کا چہرہ جھبلا ہٹ اور ناکامی کی
وجہ سے بری طرح بگاڑ چکا تھا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ وہ دونوں کوئی احتجاج کرتے۔ باس کا ہاتھ باندھ
توا اور اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریلوے ”چنگ“، ”چنگ“ کی دھواڑیں
نکلیں اور ان دونوں کی آخری چیخیں کمرے میں گونج کر رہ گئیں۔ وہ دونوں فرش
پر پڑے تڑپ رہے تھے۔ ان کے سینوں سے خون نکل رہا تھا اور باس انہیں
نہایت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

جب وہ ٹھنڈے ہو گئے تو باس نے میز پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا۔ چند
لمحوں بعد دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ کمرے کا ماحول دیکھ
کر ان کا چہرہ زرد ہو گیا۔

”ان دونوں کو لے جاؤ اور برقی بھٹی میں ڈال دو۔“

باس نے غراتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں جھک کر لاشیں اٹھانے لگے۔

ان کے جانے کے بعد جب دروازہ بند ہو گیا تو باس نے میز پر پڑا ہوا
ٹیلیفون سیٹ اپنی طرف کھسکا یا۔ اور پھر رسیوں کا نمبر ڈال کر نے شروع
کر دیئے۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

”ہیلو ماسٹر، باس سپیکنگ“

باس نے کوخٹ بھیجے میں کہا۔

”یس باس ماسٹر انڈنگ یو۔“

دوسری طرف سے ایک سخت سہ آواز سنائی دی۔ مگر لہجہ مودبانہ ہی تھا۔
”رپورٹ دو۔“

باس نے پہلے والے لہجے میں کہا۔

”باس دونوں سائنڈ ان سفارت خانہ پہنچ گئے ہیں، ہمارے آدمی ان کو
ختم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اب سفارت خانے پر بے حد سخت پہرہ لگا دیا
گیا ہے۔ انٹیلی جنس اور پولیس کے علاوہ ٹھری کے جوان بھی چپے چپے پر پہلے
ہوئے ہیں۔“

ماہقرنے جواب دیا۔

"کالفرنس کہاں ہو رہی ہے"

باس نے سوال کیا

"نیشنل ہل میں جناب کل صبح نو بجے شروع ہوگی۔"

ماہقرنے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے کل ٹینگ ہل میں پہنچنے سے پہلے کاغذات میرے پاس موجود ہونے چاہئیں۔ ٹینگ ہل میں اس فارمولے کا انکشاف نہیں ہونا چاہیئے۔"

باس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے باس میں آپریشن کا انتظام کروں گا۔"

ماہقرنے جواب دیا

"یہ کام سرپرستی پر ہونا چاہیئے۔ چاہے اس کے لئے کتنے آدمیوں کی قربانی لگنی کیوں نہ دینی پڑے۔"

باس نے سخت ہجے میں جواب دیا۔

"مگر باس کیا یہ یقینی بات ہے کہ کاغذات ان کے بیگ میں ہوں گے؟"

ماہقرنے سوال کیا

"ہاں امید تو یہی ہے کیونکہ انہوں نے اس فارمولے کا انکشاف بین الاقوامی

کالفرنس میں کرنا ہے اور جس طاقت کے لئے ہم کام کر رہے ہیں وہ نہیں چاہتی

کہ اس فارمولے کے متعلق کسی کو تو ابھی مل سکے۔ کیونکہ ایک دفعہ بین الاقوامی سائنس

کالفرنس میں اس کا انکشاف ہو گیا تو بہت سے ملک اس پر دیرسرج شروع کر

دیں گے۔"

باس نے اسے تفصیل بتلائی۔

"اب کیوں نہ کیا جائے کہ کاغذات کے ساتھ ساتھ ان سائنسدانوں کو بھی

انوا کر لیا جائے یا انہیں ختم کر دیا جائے۔ تاکہ وہ بعد میں اس پر دیرسرج نہ کر

سکیں۔"

ماہقرنے تجویز پیش کی۔

"یہ بعد کی بات ہے کاغذات جب ہمارے پاس پہنچ جائیں تو پھر کسی بھی

وقت ان کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کاغذات ان کے پاس سے نہ نکلیں

اور وہ ختم ہو جائیں تو پھر معاملہ گڑ جائے گا۔ ہاں البتہ اگر وہ اعزاء کرے جائیں

تو زیادہ بہتر ہے۔ لیکن ہماری زیادہ توجہ ان کاغذات پر مرکوز ہونی چاہیئے۔"

باس نے جواب دیا۔

"او مکے باس میں کوشش کروں گا کہ کاغذات کے ساتھ ساتھ یہ دونوں

سائنسدان بھی انوا کرے جاسکیں۔"

ماہقرنے جواب دیا۔

"او۔ کے۔ دوش یوگڈ ٹک۔ مگر یہ سوچ لو کہ ناکامی کا لفظ سننا پسند نہیں

کروں گا۔ غیر تھری اور غیر فور دونوں کو ابھی میں نے ناکامی کی سزا کے طور پر

چھٹی لگا دی ہے۔"

باس کا لہجہ زہر سے پر تھا۔

"آپ بے فکر ہیں باس۔ ماہقرنے کچی گولیاں نہیں کھیں۔"

ماہتر نے سو دباہد بلجے میں جواب دیا۔

"ماں ایک اور بات مجھے یاد آتی ہے۔ وہ دو آدمی کون ہیں جنہوں کو کبھی مہتری اور نور کی کار پر فارنگ کی تھی۔ ان کا فوری پتہ چلا دیجئے شبہ ہے کہ کوئی اور پارٹی بھی ان کا مذاق میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

باس نے کہا۔

"باس مجھے پہلے ہی اطلاع لی تھی ہے۔ میرے آدمی انہیں ٹریس کر رہے ہیں جلد ہی ہم ان کا پتہ چلا لیں گے۔"

ماہتر نے جواب دیا۔

"ویری گڈ مجھے متباری فریق شناسی پسند آتی ہے، گڈ بائی۔" باس نے کہا اور پھر لیسیور رکھ دیا۔

لیسیور رکھنے کے بعد وہ اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈائریور جلسہ میں چابی انکیشن میں لگی ہوئی چھوڑ گیا۔ سامنے پولیس کے سپاہیوں کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر خالد نے دوسرے ہونگیا۔ اور دوسرے لمحے اس کے ذہن نے ایک خطرناک فیصلہ کر لیا اور وہ ثقافوری ہونگیا۔ چنانچہ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنی جگہ سے کھٹک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور دوسرے لمحے کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔ خالد نے پہلے ہی گیتز میں پورا ایکسپلیر دیا دیا تھا گاڑی نے ایک جھپ لگایا اور سامنے سے آنے والے سپاہیوں نے بڑی مشکل سے ادھر ادھر چلا گئیں لگا کر اپنی جانیں بچائیں۔ ورنہ خالد نے دو تین کو بچنے سے ہی دیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ پاسی یا ٹیکسی ڈرائیور کچھ سمجھتے گاڑی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ذرا کی آواز پیدا کرتی ہوئی پولیس اسٹیشن کے

گیٹ سے باہر نکل گئی اور پولیس اسٹیشن کی عمارت پولیس کی تیز سیٹیوں سے گونج اٹھی۔

خالد گاڑی اندھا دھند بھگائے چلا جا رہا تھا۔ ٹریفک کو خاصی بھیجے مگر خالد سٹیئرنگ پر یوں بیٹھا تھا جیسے وہ بین الاقوامی موٹر ویس کا چیمپئن بننے کا تہیہ کر چکا ہو۔ گاڑی پوری سپیڈ سے دوڑ رہی تھی۔ اور سٹیئرنگ خالد کے ہاتھوں میں اس طرح داییں بائیں گھوم رہا تھا جیسے وہ گاڑی نہ چلا رہا ہو کسی سرکس میں رنگ ماسٹری کر رہا ہو۔ ظفر نے تو باتا عدہ آیات مقدمہ کا درد کرنا شروع کر دیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس وقت اسے کوئی آیت یاد نہ آ رہی ہو۔ بس گھوم بھر کر وہ اتنا لٹکا کر دوڑتا چلا جا رہا تھا۔

پھر دور الائنس کے پیچھے پولیس سائرنوں کی تیز آوازیں گونجنے لگیں۔ جو لمحہ بہ لمحہ نزدیک آتی چلی جا رہی تھیں۔

”ارے یہ ملک اموت کے شاگرد رشید پیچھے چلے آ رہے ہیں۔“

ظفر نے ڈرتے ڈرتے آنکلیں کھول کر خالد سے کہا۔

اور خالد جو دانت بھینچے بیٹھا تھا صدمہ مٹا کر رہ گیا۔

گاڑی کی سپیڈ سے اتنی آواز پیدا ہو رہی تھی کہ ٹریفک اب دور دور تک خود بخود ہٹتی چلی جا رہی تھی۔ اور سڑک مٹی کی شیطان کی آنت کی طرح سیدھی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اب تک وہ کتنا فاصلہ طے کر آئے تھے۔ مگر ایک با بھی موڑ نہیں آیا تھا۔

پھر پولیس کے سائرن قریب آتے چلے گئے اور اچانک سامنے جواب ہے پر

گئی ہوئی ٹریفک کنٹرول کی سرخ بتی جل گئی۔ مگر خالد کو بھلا اس بتی کی کیا پروا تھی وہ اسی سپیڈ سے آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر ایک چھوٹی سی گاڑی اس کے راستے میں آگئی۔ خالد کی کار بھی صرف سائیڈ ہی اس سے لگی اور ایک زوردار دھماکہ سے وہ چھوٹی سی کار سڑک پر لٹوی طرح گھومتی لگی۔ خالد کی کار آگے بڑھتی چلی گئی۔

”ارے خدا کے لئے کہیں روک دو کیوں مارنے لگے ہو۔ پولیس نے کوئی پھانسی تو نہیں پڑھنا دینا!“

ظفر کے صبر کا پیمانہ بے پناہ ہو کر چھلک ہی اٹھا۔ آخر کب تک وہ برداشت کرتا۔

”دروازہ کھول کر بیٹھے چھلانگ لگا دو۔“

خالد نے پہلی بار اسے جواب دیا، اور بھرا دیا تھا جیسے اس نے جواب نہ دیا ہو ظفر کے سر پر لکھا مار دی ہو۔

پولیس سائرن اب کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ اب پولیس گاڑیوں کے ڈرائیوئرز خالد کی طرح دماغ تو نہیں گھوم رہے تھے کہ وہ چیمپئن بننے کا سوچ بیٹھے۔ گوان کے سائرنوں سے ٹریفک چھٹ جاتی تھی مگر پھر بھی وہ کسی حد تک تیز چلا سکتے تھے۔ اور خالد تو جسے آج خود کشی پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

اور پھر اچانک خالد چونک پڑا کیونکہ کار کو جھکے لگنے شروع ہو گئے تھے اور پھر آہستہ آہستہ اس کی سپیڈ کم ہوئی شروع ہو گئی۔ خالد نے بہتر اکیلیٹر پر پیر سے جھکے مارے مگر سپیڈ و میٹر کا سوئی تیزی سے نیچے ہندسوں کی طرف

کھسکتی چلی جا رہی تھی۔

”پٹرول ختم ہو رہا ہے“

آخر خالد نے بریک پر پیر رکھتے ہوئے طویل سانس لے کر کہا۔

”شکر ہے خدا کا بڑی اپنے گنہگار بندوں کی سننے والا ہے۔“

ظفر نے اطمینان کا سانس لے کر گاڑی کی چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

اور دوسرے لمحے خالد نے گاڑی ایک سائیڈ میں روک دی۔

”نیچے اترو۔ جلدی کرو ابھی پولیس پہنچ جائے گی“

خالد نے دروازہ کھول کر نیچے پھلانگ لگاتے ہوئے کہا اور پھر ظفر بھی بڑھلا

کر دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

”اسی گلی میں بھاگو“

خالد نے سامنے ایک چھوٹی سی گلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھر خالد

نے گلی میں دوڑ لگا دی۔

ظفر بھی اس کے پیچھے تھا۔ پھر ظفر نے ذرا سا سانس بھرا اور دوسرے

لمحے وہ خالد سے بھی آگے تھا۔ اچانک ظفر رک گیا جیسے اس کا بھی گاڑی کی

طرح پٹرول ختم ہو گیا ہو۔

”کیا تھوڑا رک کیوں گئے؟“

خالد نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

”یار وہ میری دائرہ تو کارہی میں رہ گئی“

ظفر نے اس طرح جواب دیا جیسے دائرہ صاف سوئے کی تاروں کی بنی ہوئی تھی

”معت بعید وارثی پر بھاگو“

خالد نے اسے بازو سے پکڑ کر گھیسٹے ہوئے کہا۔

”کسی مولوی نے سن لیا تو کفر کا فتویٰ لگا دے گا۔ اور پھر تہاری

بہوی تم پر حرام اور مولوی پر حلال ہو جائے گی“

ظفر نے بھاگتے ہوئے باقاعدہ اسے فتویٰ سنا دیا۔

پھر انہیں گلی کی نکر پر پولیس سٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور

پھر ایک سیٹی سامنے بھی سنائی دی۔ پولیس نے انہیں گھیر لیا تھا۔

خالد نے ظفر کا بازو پکڑا اور جھپاک سے دائیں سائیڈ کی ایک بڑی

بلڈنگ کے دروازے میں گھس چلا گیا۔ سامنے ہی ایک دروازہ تھا جو کھلا

ہوا تھا۔

”ارے ارے اندر مستورات ہوں گی۔ بے پردگی ہوگی۔“

ظفر کہتا ہی رہ گیا۔ مگر خالد نے اس کی ایک نہ سنی اور دوسرے لمحے وہ دروازوں

ایک دھماکے سے کمرے کے اندر گھستے چلے گئے۔ کمرے کا دروازہ صرف بھڑا

ٹھوٹھا اور دوسرے لمحے ظفر نے تیزی سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ کسی حسینہ کی خواب گاہ تھی اور ایک زہر شکن حسن کی مالک نوجوان حسینہ

ایک باریک گاؤں پہنے مسہری پر اسی لیٹی ہوئی کسی رسلے کے مطالعہ میں غرق

تھی۔ دروازہ کھلنے کی زوردار آواز سے وہ ایسے اچھلی جیسے مسہری میں

کرنٹ آگیا ہو اور پھر وہ گون جو سامنے سے کھلا تھا مزید کھلتا چلا گیا اور وہ

عریں جوانی حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے ان کی یوں

اچانک ٹپک پڑنے کی وجہ تسمیہ نہ سمجھ سکی ہو۔

"کپڑے پہن لیجئے محترمہ۔ ہم شریف آدمی ہیں"

خالد نے مہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔

اور حسینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہوش میں آگئی ہو۔

"لگ۔ کون ہو تم اور کیوں اندر آتے ہو؟"

اس نے ہکلاتے ہوئے ہلچے میں سوال کیا۔ ویسے شعوری طور پر اس نے گون اپنے جسم کے گرد لپیٹ کیا تھا۔

"آپ پہلے ہیں کہیں چھپا لیجئے پلیز۔ پولیس ہمارے پیچھے ہے خالد نے گھگھیاتے ہوئے ہلچے میں کہا

اس کی تیز نظریں کمرے میں سرخ لائٹ کی طرح گھوم رہی تھیں شاید وہ چھپنے کے لئے کوئی مناسب جگہ دیکھ رہا تھا۔

"مگر کیوں؟" حسینہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ مگر اس سے پہلے کہ خالد

کوئی جواب دیتا انہیں بلڈنگ کے اندر بھاری بھاری بوٹوں کی آوازیں گونجتی ہوئی سنائی دیں۔

"پلیز محترمہ"

خالد نے آخری بار التما آمیز ہلچے میں کہا

اور پھر ظفر کا ہاڈو کو مگر مسری کے نیچے گھستا چلا گیا۔ ظفر جواب تک نیک

بچوں کی طرح ہنسی میں بندھے کھڑا تھا ایک توکل کی طرح اس کے پیچھے گھٹنا ہوا

مسری کے نیچے گھس گیا۔ مسری کے اوپر پڑی ہوئی بستر کی بڑی سی چادر نے

جو مسری کے نیچے چاروں طرف زمین کے ساتھ ملٹی ہوئی تھی۔ انہیں اچھی طرح

چھپا لیا تھا۔

اسی لمحے دروازہ دوسری بار زور سے کھلا اور ایک پولیس افسر باپتا ہوا

اندر آگھا۔

"اوہ سواری مس"

پولیس افسر اپنے سامنے یوں حسینہ کو عریاں کھڑے دیکھ کر ہکلا گیا۔

"کیا بات ہے۔ کیا اب پولیس کو اخلاق و تہذیب کا سبق بھی دینا پڑے گا؟"

وہ محترمہ جواب اچھی طرح سنبھل چکی تھی پولیس افسر پر پرکرم ہو گئی۔

"سناؤ مجھے محترمہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ آپ کی خواب گاہ ہے ہم دو

مجرموں کا چھپا کر رہے ہیں وہ اس لگی میں غائب ہو گئے ہیں۔ آپ کا بیڑنی

دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے سمجھا شاید"

پولیس افسر نے بجا حجت آمیز نظروں سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید وہ میری خواب گاہ میں گھس آئے ہوں۔ وہ آدمی تھے کہ پھر جو خواب گاہ

میں گھستے ہی غائب ہو گئے"

حسینہ نے فقرہ پورا کرتے ہوئے سخت ہلچے میں کہا۔

"میں ایک بار پھر مافی چاہتا ہوں"

پولیس افسر نے بغور کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اور دوسرے لمحے وہ

واپس مڑ گیا۔

وہ شاید مطمئن ہو گیا تھا۔ حسینہ دروازے پر اس وقت تک کھڑی رہی جب تک

پولیس افسر بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور اس نے بیرونی دروازہ بھی بند کر دیا۔

چند لمحوں بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں ابھی تک سہری کے نیچے ہی تھے۔

"اب آپ باہر نکل آئیے پولیس جا چکی ہے۔"

حسینہ نے تیز لہجے میں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

اور پھر خالد نے چادر کا کونہ اٹھا کر سر باہر نکالا اور جب اسے اطمینان ہو گیا کہ واقعی پولیس جا چکی ہے تو وہ باہر نکل آیا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھرتے تھے۔ اندھا دھند گورائیونگ اور پھر اس طرح بھاگنے سے

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور دل بے بھی اس کا رنگ سفید ہی تھا۔ اس پر چھائی ہوئی سرفخی نے اسے بے حرمین بنا دیا تھا۔ حسینہ اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اب اس آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی تھی۔

"اپنے ساتھی کو بھی باہر نکالتے۔"

اس نے خالد سے مخاطب ہو کر کہا۔

"باہر نکل آؤ یا خطرہ ٹل گیا ہے۔"

خالد نے ظفر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"خطرہ کہاں ٹل گیا، خطرہ تو موجود ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اپنا ایمان کتنا عزیز ہے اور باہر ایمان دشمن کھڑی ہے۔ میرا ایمان خطرے میں ہے۔"

ظفر نے سہری کے نیچے سے ہی ہانک لگائی۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

ظفر نے چونکہ بات اردو میں کی تھی اس لئے حسینہ نہ سمجھ سکی۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے کہ آپ کو دیکھ کر اسے شرم آتی ہے۔"

خالد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شرم۔"

حسینہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا اور دوسرے لمحے اس کے مترنم قبضے سے کمرے میں جلتی بج اٹھا۔

"دیکھا۔ دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا کہ یہاں ایمان خطرے میں ہے۔ تم بھی یہاں آ جاؤ ورنہ کا فر ہو جاؤ گے۔"

ظفر نے مترنم ہتھکڑی لسن کر سہری کے نیچے سے ہی جواب دیا۔

"نکل بھی آؤ سوور، حسینہ کچھ رام ہو گئی ہے اسے غصہ آ گیا تو ابھی پولیس کو بلا لے گی۔"

خالد نے غصے سے بھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سوور حسینہ کیا ہوتی ہے اب یہاں اگر تمہاری اردو بھی کمزور ہو گئی ہے۔"

ظفر نے سہری کے نیچے سے نکلے ہوئے کہا۔

باہر نکل کر پہلے تو اس نے اطمینان سے ہاتھ پیر جھاڑے اور پھر حسینہ کی طرف

مصالحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ حسینہ پہلے تو کچھ نہ سمجھی۔ پھر اس نے بھی مسکرا کر

اس سے ہاتھ ملایا اور دوسرے لمحے ظفر کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں جا گئیں کیونکہ حسینہ

نے ہاتھ ملانے کے ساتھ اس کا ہاتھ ہلکے سے دبا بھی دیا تھا اور ظفر احمق ہونے کے باوجود

اس مخصوص اشارے کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔

"تشریف رکھئے اور مجھے تفصیل بتائیے کہ آپ نے کیا جرم کیا ہے۔"

حسینہ نے اٹھ کر دوبارہ مسہری پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔

ظفر بھی خالد کے ساتھ دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہاں پانی مل جائے گا سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔"

اس سے پہلے کہ خالد کوئی جواب دیتا ظفر بول پڑا۔

"ادہ کیوں نہیں کیوں نہیں؟"

حسینہ نے جواب دیا اور پھر وہ اٹھ کر تیزی سے الماری کی طرف بڑھی اور دوسرے

ٹمچے وہ الماری سے دھبے کی ایک بوتل نکال لائی۔

"ارے یہ پاک پانی میں نے نہیں مانگا۔ مجھے تو بس سادہ پانی چاہیے۔"

ظفر نے خوفزدہ ہجے میں کہا۔

اور حسینہ اسے یوں حیرت سے دیکھنے لگی جیسے ظفر کے سر پر بیگ اگائے

ہوں وہ شاید سوچ رہی تھی کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو وہ بھی کو چھوڑ

کر سادہ پانی طلب کر رہا ہے۔

"یہ بھی پانی ہی ہے۔ اس کا ایک پیگ آپ کو پوری تسکین دے گا۔"

حسینہ نے بوتلی کا ڈھکنا کھولتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے نہیں نہیں کیوں نہیں گھر سے مار پڑوائی ہے۔ اب کہاں الپکیاں چیتے

پھریں گے؟"

ظفر نے باقاعدہ احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

اور حسینہ حیرت سے خالد کی طرف دیکھنے لگی۔

"معاذ کیجئے مس۔۔۔"

خالد نے جان بوجھ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"گھلوریا"

حسینہ نے فوراً اپنا نام بتلایا۔

"مس گھلوریا دراصل ہم شراب نہیں پیتے۔ شراب ہمارے مذہب میں

حرام ہے۔"

خالد نے بڑے تیز لہجے میں اسے سمجھایا۔

"حرام ہے۔"

گھلوریا بڑبڑاتی اور پھر اس نے ایک پیگ بنا کر خود اپنے حلق میں انڈیل دیا۔

"سوری میرے پاس تو یہی ہے"

اس نے رد مال سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"رہنے دیجئے ہم بغیر پانی کے بھی زندہ رہ جائیں گے۔"

ظفر نے باقاعدہ روٹھتے ہوئے کہا۔

اور گھلوریا بڑی عجیب نظروں سے ظفر کو گھورنے لگی

"آپ اپنا تفاوت نہیں کرا لیں گے۔"

اس نے چند لمحوں کا سکوت توڑا۔

"میرا نام خالد ہے اور اس کا ظفر ہم پاکیشیا کے رہنے والے ہیں۔ یہاں

سیاحت کے لئے آئے تھے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔ وہ یہیں

خاتون نے کیا۔ وہاں سے ہم اس کی ٹیکسی لے کر بھاگے۔ یہاں گلی کے سامنے گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا۔ پولیس ہمارے پیچھے تھی اس لئے ہم بھاگتے ہوئے آپ کے کمرے میں آ گئے۔

خالد نے پوری تفصیل بتلا دی۔

”ارے تو بہ تو بہ اتنا جھوٹ ایک عورت کے سامنے جھوٹ بولتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ غضب خدا کا اتنا بڑا جھوٹ قطعی جھوٹ، بلکہ مفید جھوٹ۔ یا رہتا رہا اخلاق تو بالکل تباہ ہو گیا ہے۔“

ظفر نے باقاعدہ کافوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا اور جواب میں خالد اسے صرف گھور کر رہ گیا۔

”اچھا تو آپ بتا دیجئے اصل بات کیا ہے۔“

حمید اب پوری طرح ان میں دلچسپی لے رہی تھی۔

”اصل بات بس اتنی سی ہے کہ اس نے ایک لڑکی کو چھیر دیا اور لڑکی کے سامنے اس پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ رسم زمان اس سے بچڑ گئے۔

دو چار ہاتھ مارے۔ دس بارہ کھائے۔ اتنے میں مجھے غصہ آ گیا۔ چنانچہ میں نے ایک ہی ہاتھ مارا اور لڑکی کا سامنے چاروں شانے چٹ ہو گیا۔ ہوٹل والا

نے اس کی اطلاع پولیس کو دے دی چنانچہ وہ ہمیں پکڑنے آ گئی اور ہم بھاگ کر آپ کی پناہ میں آ گئے۔“

ظفر نے ایک اور کہانی سنا دی۔

اور اس کی کہانی سن کر خالد کو سنہنی ضبط کرنے میں خاصی مشکل پیش آئی۔

شکریہ کہ زندگی پوری طرح ظفر کی طرف متوجہ تھی ورنہ خالد کا چہرہ دیکھتے ہی وہ سمجھ جاتی کہ ظفر معصوم کجواکس کر رہا ہے۔

”اچھا اب آپ کیا چاہتے ہیں۔ پولیس تو جا چکی ہے۔“

گھلور یا شائد اب ان سے پچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

”میں تو صرف آپ کو چاہتا ہوں۔ خالد سے پوچھ لیں کیا چاہتا ہے۔“

ظفر نے منہ بنا تے ہوئے کہا۔

اور گھلور یا اس کی بات پر بے اختیار ہنسنے لگی۔

”میں تو صرف جاننے کی اجازت چاہتا ہوں۔“

خالد نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”تو تمہیں روک کون رہا ہے۔ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ جاتے بلکہ ایسے جاؤ کہ پھر آ نہ سکو۔“

اس سے پہلے کہ گھلور یا کچھ کہتی ظفر کے جواب دیا۔

”تو کیا تم میرے ساتھ نہیں چل رہے۔“

خالد نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”کیا ضرورت ہے۔ تم نے پھر وہی حرکت کر دی ہے اور مجھے پھر ایک آدھ

ہاتھ چلانا پڑے گا۔ اب تم دیکھ لو۔ ہمیں بغیر ہاتھ پیر ہاتھ دو مل گئی جو ہمیں

اتنی جدوجہد کے باوجود نہ مل سکا۔“

ظفر نے بڑی مسیحتی نظروں سے گھلور یا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہنہیں سر خالد انہیں لمبی اپنے ساتھ لے جائیے۔ میں جانور پالنے کی عادی نہیں

ہوں۔

گلواریا نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ظفر یا اسانہ بنا کر رہ گیا۔

"چلو یا رحیم کسی بھی ملک کی بربے دعا ہوتی ہے۔"

ظفر نے بادل نحو استائے ہوئے کہا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ وہ دونوں اس سے رخصت لے کر باہر جاتے کال پی نور سے پہنچنے لگی۔

ان دونوں کے ساتھ ساتھ گلواریا بھی چونک اٹھی۔

"ارے کہیں پھر پولیس نہ آگئی ہو۔"

ظفر نے سرگوشی کے انداز میں خالد سے کہا۔

"بھڑو میں دیکھتی ہوں۔ اگر پولیس برقی تو میں نہیں اِثباتی انداز میں سر ہلا کر اشارہ کروں گی۔ تم فوراً چھپ جانا۔"

گلواریا نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اور وہ دونوں تیزی سے کھٹک کر مہری کے قریب ہو گئے۔

گلواریا نے تھوڑا سا دروازہ کھولا اور پھر باہر بھاگنے لگی۔ مگر دوسری طرف سے

ایک نوردار جھپٹے سے دروازہ پوری طرح کھول دیا گیا۔

"ارے ڈارنگ کیا بات ہے آج غیرت برت رہی ہو؟"

ایک ٹیم شمیم سفید نام شخص اندر داخل ہوا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اشارہ کرتی یا وہ دونوں چھپتے غیر ملکی نے ان دونوں

کو دیکھ لیا اور وہ کھٹک کر رہ گیا۔

"یہ ممکن ہیں ڈارنگ۔"

سفید نام کا لہجہ غراہٹ میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ تیزی سے کوٹ کی جیبوں میں رینگ گئے۔

"یہ میرے غیر ملکی فریڈ نہیں۔ میری ان سے قلمی دوستی تھی۔ اب یہ اس

ملک میں آئے ہیں تو مجھ سے ملنے آگئے ہیں۔"

گلواریا نے کفایت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ ویسے اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

وہ شاید اس سے بے حد خوفزدہ تھی۔

"اچھا۔ اچھا یہ تو مجھے آج پتہ چلا کہ تم قلمی دوستی بھی کرتی ہے۔"

سفید نام نے استہزاء آمیز لہجے میں جواب دیا۔

اور پھر وہ قدم بڑھا کر خالد اور ظفر کے قریب آ گیا۔ وہ دونوں ہنسی سے

اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔ اور دوسرے ملے ظفر کی آنکھوں میں خوف کی پچھائیاں

رینگ گئیں کیونکہ نزدیک آنے پر وہ اچھی طرح پہچان گیا تھا کہ یہ سفید نام شخص

اس خفیہ میٹنگ میں باس کے قریب بیٹھا تھا جہاں وہ زبردستی لے جایا گیا تھا۔

دوسرے ملے سفید نام شخص کی آنکھوں میں بھی پراسرار سی جھلک ابھر آئی۔

شاید وہ بھی ظفر کو پہچان چکا تھا۔ اور دوسرے ملے کمرے میں برقی گونج گئی۔

غیر ملکی کے ہاتھ میں ایک چمکار خنجر تھا اور ظاہر ہے خنجر کا رخ ان دونوں کی

طرف ہی تھا۔

"سکھوں دوستو کیا خیال ہے کیا تم سچ سچ تیار دو گے کہ تم کون تو یا پھر مجھے ہی

اپنے چمکار خنجر کو رنگین کرنا پڑے گا۔"

سفید نام نے تیز لہجے میں کہا۔

"جیگر ڈیر یہ کیا مسئلہ ہے۔ یہ میرے دوست ہیں۔"

گھوڑیائے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"سٹاپ! یہ نوجوان ایک دفعہ پہلے بھی ہم سے ٹکرا چکا ہے۔ ہم اسے اس وقت نہ سمجھ سکے۔ مگر اب یہ ہماری تلاش میں تمہارے تک آ پہنچا ہے۔" جیگر نے ظفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تہیں غلط مہمی ہوئی ہے دوست۔ میرا معاملہ کیا تعلق... مم... مم..." ظفر نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کا فقرہ اس کے حلق میں ہی اٹک کر رہ گیا۔ کیونکہ جیگر کے ہاتھ نے تیزی سے حرکت کی تھی اور ظفر کے بارود پر کوٹ کا ایک ٹکڑا غائب ہو گیا تھا۔

"یہ پہلی وارنگ ہے اگر تم نے پھر جھوٹ بولا تو یہ خنجر تمہاری آنکھ میں بھی گھس سکتا ہے۔"

جیگر نے کرفت آواز میں جواب دیا۔

اور ظفر کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سفید رچے سے کیسے پیچھا چھڑائے۔

دیوالور خالہ اور ظفر دونوں کی جیبوں میں تھے۔ مگر وہ اتنی پھرتی کہاں سے لاتے جس کا مظاہرہ جیگر کر چکا تھا۔ اس نے وہ دونوں "مم" "کم" کھڑے تھے۔

"جدی بتلاؤ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے۔"

جیگر نے اتنے کرفت لہجے میں کہا کہ خوف سے ان دونوں کو پھریریاں آ گئیں۔

"ہم پولیس سے بچنے کے لئے یہاں آئے تھے۔"

ظفر نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

"پولیس سے بچنے کے لئے۔ وہ کیوں؟"

جیگر کے لہجے میں حیرت تھی۔ شاید اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی

"تم یہ خنجر جیب میں رکھو تو میں بتلاؤں۔ خوف کے مارے میرے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی"

ظفر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اداکاری مت کرو۔ تمہاری اداکاری ایک بار پہلے بھی ہیں دعو کہ دے چکی ہے۔ مگر اب۔"

جیگر نے اسے ڈانٹتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک لڑکی کا بچہ تھا۔"

اس بار خالہ نے جواب دیا۔

اسے خطرہ تھا کہ کہیں ظفر خون کی زیادتی سے ایکسٹ والی بات نہ بتا دے کیونکہ انسا تو وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ اسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے جس کے پیچھے وہ لگے ہوئے ہیں۔

اور دوسرے لمحے کمرے میں ایک بار پھر بوق سہی کو نہ گئی۔ خنجر تیزی سے اڑتا ہوا خالہ کے بالوں کے قریب سے گزر گیا تھا۔ اب جیگر کے ہاتھ میں دیوالور تھا۔

"یہ آخری وارنگ تھی۔"

جیگر نے غراتے ہوئے کہا اور خالہ کے چہرے پر ایک رنگ اگر گزر گیا۔

”سچ بتاؤ۔“

جیگر نے جرح کر کہا۔

”ہم سے ایک اکیڈمیٹ ہو گیا تھا۔ ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھے تو ٹیکسی والا پولیس اسٹیشن لے آیا۔ وہاں سے ہم بھاگ نکلے۔ پولیس ہمارے پیچھے تھی۔ پولیس سے بچنے کے لئے ہم یہاں آکر چھپ گئے۔“

آخر ظفر نے مہماندہ اچھوڑ دیا۔

اور خالد نے ایک طویل سانس لی۔ اب غیر ملکی کے ماتحتوں بچنا مقدر کی بات تھی۔ ورنہ ظفر نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

”اوہ تو وہ تم دونوں پر جس کی تلاش میں ہم سب پریشان تھے۔“

جیگر کا لہجہ جرش اور مسرت سے سرخ ہو گیا تھا۔

”اپنے ہاتھ اونچے کرلو، جلدی کرو۔“

جیگر نے ایک لمحہ رک کر انہیں حکم دیا اور ان دونوں نے بے اختیار اپنے ہاتھ بلند کر لئے۔

”دوسری طرف گھوم جاؤ۔ فوراً۔“

جیگر نے انہیں ایک اد حکم دیا۔

اور پھر وہ دونوں گھوم گئے۔ میزملکی آگے بڑھا اور پھر اس نے ان دونوں کی جیب سے ریوالور نکال لئے۔

اور اسی لمحے خالد تیزی سے گھوما اور پھر اس کا زوردار کہ جیگر کی ناگ پر پڑا۔ خالد اپنے کانچ میں بائنگ کا چمپین رہ چکا تھا۔ چنانچہ دار خانا کاری اور

بڑی مناسب جگہ پر پڑا تھا۔ جیگر الٹ کر پیچھے جاگنا۔ اس کے لئے یہ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ ریوالور بھی اس کے ہاتھ سے نیچے جا گرے تھے۔ اور دوسرے لمحے جیگر نیچے گرتے ہی سپرنگ کی طرح اٹھ پڑا۔ مگر اس بار نظریے بہت کی اور میز پر پڑا ہوا بھاری گھلان پوری قوت سے اٹھتے ہوئے جیگر کی پیشانی پر پڑا اور وہ ایک کریہہ چیخ مار کر دوبارہ فرسٹ بلس ہو گیا۔ چند لمحے وہ ہاتھ پیر راتار مل پھر ساکت ہو گیا۔

”بینڈ زاپ“

گھوریا کی آواز گونجی اور وہ دونوں بری طرح چونک پڑے۔ شاید وہ گھوریا کی موجودگی کو غراؤش کو چکے تھے۔ گھوریا نے فرسٹ پڑے ہوئے ریوالوروں میں سے ایک اٹھا لیا تھا۔

”یہ تم کیا کر رہی ہو۔ ہماری تہاری کیا دشمنی ہے۔“

ظفر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”بکواس مت کرو۔ جیگر کو ہوش میں لے آؤ۔ جلدی کرو۔ ورنہ گولی مار دوں گی۔“

گھوریا نے لہجے کو سخت بناتے ہوئے کہا۔

”ارے کیوں ہماری جان کی دشمن بن رہی ہو۔ یہی جانے دو۔ تہا رہی بڑی مہربانی۔“

ظفر نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”شٹ اپ تم اگر چپے گئے تو یہ مجھے گولی مار دے گا۔ میں تہا رہی خاطر پیٹے

جھوٹ بول کر پھنس چکی ہوں۔ اب میری بکیت اسی میں ہے کہ میں تمہیں جانے

زادوں!

گلو ریا نے بتلایا۔

اور ظفر کے محبوب ری کے انداز میں کاندھے جھٹکتے ہوئے خالد کی طرف دیکھا

اور دوسرے لمحے خالد نے اسے آنکھ مار دی۔ اور ظفر جیک کی طرف بڑھ گیا

پانی کہاں ہے۔ اس کے منہ میں ڈالوں

ظفر نے گلو ریا سے پوچھا۔

اور گلو ریا نے کونے میں پڑے ہوئے جگ کی طرف اشارہ کر دیا۔

اور خالد کو شہ تر اسی لمحے کا انتظار تھا۔ کیونکہ جیسے ہی گلو ریا نے جگ کی

طرف اشارہ کرنے کے لئے رخ موڑا خالد چیتے کی طرح اچھلی کر اس پر جا پڑا۔
جھٹکاتے سے گولی چلی صردگر سوا سے دیوار پر ٹھکی ہوئی ایک تعمیر پر باد ہونے
کے اور کچھ نہ تھا۔

اور دوسرے لمحے خالد کا زرد دروازہ گلو ریا کے ناک پر پڑا اور گلو ریا نے بھی

ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

چلو اب بھاگ چلو۔

خالد نے ریوا اور حبیب میں ڈالتے ہوئے ظفر سے کہا جو بڑی تشویش ناک نظروں
سے گلو ریا کے جسم کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے خالد کی اس بے دردانہ چوٹ کی ضرب
گلو ریا کی بجائے اس کی ناک پر پڑی ہو۔

چلو بھی۔

خالد نے جب اسے یوں گم سم دیکھا تو اس کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا دروازے
کی طرف لے چلا۔

اور پھر۔

چند لمحوں بعد وہ دونوں ایک بار پھر سڑک پر چل رہے تھے۔

سفارت خانہ پاکویشیا کی خوبصورت عمارت میں اس وقت کالی چپل پہلی
تھی۔ محل کے واقعے کے بعد سفیر نے حکومت سے سائنڈائون کی حفاظت کا توثیق
انتظام کرنے کی بات قاعدہ درخواست کی تھی۔ چنانچہ حکومت کے اعلیٰ سیکورٹی آفیسر
اند پولیس سفارت خانے کی عمارت کے اندر باہر موجود تھی۔
دونوں سائنڈائون بین الاقوامی سائنڈائون کانفرنس میں شرکت کے لئے تیار بیٹھے تھے
سیکورٹی کی پیشین کار انہیں لے جانے کے لئے آنے والی تھی۔ اور پھر چپل
بعد ایک سیاہ رنگ کی کید لاک سفارت خانے کی عمارت میں داخل ہوئی۔ اس پر
سیاہ رنگ کا ٹیلیگ لہرا رہا تھا۔ سیاہ رنگ کے اس ٹیلیگ پر سرخ رنگ کا ایک
دائرہ تھا۔ یہ اس ملک کی سیکرٹ سروس کا مخصوص نشان تھا۔ گیٹ پر موجود حفاظتی

گارد نے شہر کی کاغذات چیک کئے اور پھر کار کو اندر جانے کی اجازت دے
دی۔

کار تیزی سے گھومتی ہوئی فراخ اور خوبصورت پورچ میں اکر رک گئی۔
دروازہ کھلا اور پھر ایک آدمی فوجی دروی میں بلبوس باہر نکلا۔
پورچ میں سفیر بذات خود موجود تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے
مصافحہ کیا۔

”میجر براؤن آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی“

کار سے اترنے والے نے سفیر سے اپنا تعارف کرایا اور ساتھ ہی کوٹ کا کالا ٹھٹھا
کر مخصوص بیج بھی دکھا دیا۔

”ویل کم میجر“

سفیر صاحب نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا سائنٹسٹ تیار ہیں؟“

میجر نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

”ہاں آپ کا ہی انتظار تھا“

سفیر نے جواب دیا۔

اور پھر اس کا اشارہ پا کر اردو تیزی سے ایک کمرے میں گس گیا۔ شاید وہ
سائنڈائون کو اطلاع دینے گیا تھا۔

چند لمحوں بعد دونوں سائنڈائون ہاتھوں میں برلین کیس اٹھائے برآمدے میں
داخل ہوئے۔ ان دونوں نے شارک اسکن کے ٹیٹ پہنے ہوئے تھے اور ان کے چہرے

کسی اندرونی کامیابی سے چمک رہے تھے۔ شاید وہ مقصود ہی مقصود میں اس فارمولے کے متعلق سوچ رہے تھے جن کا اعلان آج انہوں نے بین الاقوامی سائنس کانفرنس میں کرنا تھا۔ وہ دونوں سفیر کے قریب آکر دکھ گئے۔

”میجر براؤن آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی“

سفیر نے میجر براؤن کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر رحمن بیکہ ڈاکٹر آصف“

سفیر نے میجر براؤن سے دونوں سائنسدانوں کا تعارف کرایا

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی“

دونوں طرف سے رسمی جملے ادا کئے گئے۔

”چلئے گا میں تشریف رکھیے۔ میٹنگ کا وقت قریب ہے۔“

میجر براؤن نے کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”او۔ کے“

دونوں سائنسدانوں نے کہا اور پھر کار کی طرف بڑھے۔

کار کے قریب موجود ڈرائیور نے بڑے موثرانہ انداز میں کار کا دروازہ

کھولا اور ڈاکٹر رحمان اندر بیٹھ گیا۔ اور پھر ڈرائیور بڑی پھرتی سے دوسری

طرف مڑا اور اس نے کار کا دوسری طرف کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر آصف کو

اندر بٹھانے میں مدد دی۔

”او۔ کے مسٹر ایبسیڈر۔ بالی بائی“

میجر براؤن نے سفیر سے اجازت طلب بلجے میں کہا۔

”میجر براؤن اب ان کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے“

سفیر نے تشریف سے پر بلجے میں کہا۔

”آپ فکر نہ کری جناب ہم ہر طرف سے پوری طرح ہوشیار ہیں“

میجر براؤن نے جواب دیا اور پھر سفیر سے مصافحہ کر کے کاریں بیٹھ گیا۔ اس کے

بیٹھنے ہی کا تیزی سے مڑی اور پھر سفارت خانے کی عمارت سے باہر نکلتی

چلی گئی۔

سفارت خانہ کی عمارت سے نکل کر کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک

تقریباً خالی سڑک پر دوڑنے لگی۔

”میجر براؤن کیا نشین ڈال بہت دور ہے۔“

ڈاکٹر رحمن نے سوال کیا۔

”نہیں جناب دراصل جو راستہ نزدیک پڑتا ہے وہاں بے پناہ ٹریفک ہوتی

ہے اس لئے ہم چکر کاٹ کر جا رہے ہیں تاکہ یاسانی دکان پہنچ سکیں۔“

میجر براؤن نے وضاحت کی۔

کار تیزی سے دوڑتی رہی مگر پھر اچانک ایک موٹر پر ڈرائیور کو پوری قوت

سے بربک لگانے پڑے۔ کیونکہ سامنے ایک شدید قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا

دو کاریں ایک دوسرے میں تقریباً گھسی پڑی تھیں اور ان کی وجہ سے سڑک

بلاک ہوئی ہوئی تھی۔

کیڈ لاک ان کے قریب جا کر رک گئی۔ ڈرائیور نے ہارن دیا۔ مگر وہاں

کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

کیا معیبت ہے۔

میجر براؤن بھگلاتے ہوئے کہا۔ اہم پھر وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔
لوگ ایکسڈنٹ کرنے کے بعد فرار ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی
اس حماقت سے معین اوقات کتنا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔

وہ بڑبڑاتا ہوا دونوں کاروں کی طرف بڑھا۔

ابھی وہ دونوں کاروں کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ اچانک دونوں کاروں
کے پیچھے سے چار نقاب پوش ہاتھوں میں مشین گنیں اٹھائے سامنے آگئے۔ پھر
اس سے پہلے کہ میجر براؤن صورت حال سمجھ کر حیب سے ریوالور نکالتا ایک مشین
گن ٹرٹاتی اور دوسرے لمحے میجر براؤن کے جسم میں بے شمار گولیاں گھسی چلی گئیں
اور میجر براؤن بیمارے کو چیخنے کا موقع بھی نہ ملا۔

باقی تین نقاب پوش تیزی سے کیڈلاک کی طرف بڑھے۔ ڈرائیور نے کار
بیک کرنے کی کوشش کی مگر دوسرے لمحے ایک اور مشین گن چیخ اٹھی اور گولیاں دنڈ
سکرین توڑتی ہوئی ڈرائیور کی کھوپڑی کو چاٹ گئیں۔

ڈاکٹر رحمان اور ڈاکٹر آصف نے صورت حال کو سمجھتے ہوئے پھرتی سے
اپنے سر نیچے جھکائے تھے۔ اس لئے وہ بچ گئے تھے ورنہ ان کا بھی وہی حشر
ہوتا جو ڈرائیور کا ہو چکا تھا۔

دوسرے لمحے نقاب پوشوں نے تیزی سے کار کے دروازے کھولے

”باہر نکل آؤ جلدی کرو۔“

ایک نقاب پوش نے سزا دے ہوئے کہا۔

باقی دو نقاب پوشوں نے تیزی سے ان کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے بریف
کیس گھسیٹ لئے۔

اسی لمحے ایک ٹیکسی تیزی سے دوڑتی ہوئی کار کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی
”اس ٹیکسی کو روکو“

ایک نقاب پوش نے چیخ کر دوسروں سے کہا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلے ٹیکسی سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور پھر ایک نذر دار
دھماکہ کی آواز سنائی دی اور ایک نقاب پوش چیخ مار کر فرش پر نیتا چلا گیا۔
”بھاگو“

دوسرے نقاب پوش نے کہا

اور باقی تین نقاب پوش تیزی سے سڑک کے دائیں طرف بھاگتے چلے گئے۔
ٹیکسی سے ایک اور فائر ہوا اور اس بار وہ نقاب پوش الٹ کر گرا جب کے ہاتھ
میں دونوں بریف کیس تھے۔ باقی دو نقاب پوش ایک دم رک گئے۔ اور پھر ان
جہی سے ایک نے ٹیکسی پر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ جب کہ دوسرے نے
زمین پر پڑے ہوئے بیگ اٹھا کر پوری قوت سے دوڑ لگا دی۔

”ٹیکسی رک گئی تھی۔ اس کی وہ نڈ سکرین ٹوٹ گئی تھی۔ نقاب پوش چبڑیل
نہیں مسل گولیاں برساتا رہا۔ پھر جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کا ساتھی محفوظ جگہ
پہنچ گیا ہو گا۔ وہ تیزی سے اتر اور بھاگنے لگا۔ اسی لمحے ٹیکسی سے ایک فائر ہوا اور وہ سڑک کے کنارے
خالی گیا۔ ٹیکسی میں چند لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ پھر ایک آدمی نے اپنا
سر اٹھایا اور باہر کسی کو نہ پا کر وہ تیزی سے ٹیکسی سے باہر نکل آیا۔ یہ خالد تھا

”ظفر علی یا ہر شکوہ اور دیگر دونوں سائنسدان بحیریت ہیں یا نہیں۔ میں مجرموں کا چچا کرتا ہوں“

خالد نے چیخ کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر دبائے سوتے ظفر کو حکم دیا اور خود تیزی سے اور دھڑ دھڑا جدمرہ دونوں نقاب پوش گئے تھے۔

ظفر چند لمبے تو پچھلی سیٹ پر بڑا کا پتارہ لکھو کہ اس کے کانوں میں اب بھی مشین گن کے نارتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

مچھروہ سمیت کمرے اٹھا اور ٹیکسی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ یہ ٹیکسی انہوں نے سفارت خانہ کے قریب سے چرائی تھی اور اس مسئلے میں الجھ کر وہ یٹ بھی ہو گئے تھے۔ ظفر تیزی سے کیڈ لاک کی طرف بڑھا اور پھر جیسے ہی وہ کار کے قریب پہنچا اس نے دونوں سائنسدانوں کو کار سے باہر نکلتے دیکھا۔

”آپ بحیریت ہیں جناب۔“

ظفر نے قریب آکر بڑے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

”تم کون ہو۔“

ڈاکٹر رحمان نے اٹھے ہوتے ہیچ اور شکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ملازم آپ کا فارمولا چرانا چاہتے تھے اور ہم مجرموں کے پیچھے گئے ہوئے ہیں تاکہ فارمولا بچا یا جاسکے۔“

ظفر نے جواب دیا۔

”فارمولا تو اس بیگ میں تھا جو وہ لوگ لے گئے ہیں۔“ ڈاکٹر رحمان نے تسفہ جیسے لہجے میں جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں جناب میرا ساتھی بڑا مشہور جاسوس ہے۔ اس نے بیشک“

جاسوسی نامہ لپڑا رکھے ہیں۔ وہ مجرموں سے فارمولا ہی واپس نہیں لے

آئے گا بلکہ بیگ بھی ساتھ لے آئے گا۔ آپ خود سمجھا رہے ہیں جناب بھلا اتنے قیمتی بیگ بھی کوئی چھوڑ سکتا ہے۔“

ظفر نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے اچانک دور سے پولیس کاروں

کے سائرن کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شاید گومبیوں کی آواز سن کر کسی نے پولیس

کو اطلاع دے دی تھی۔

”اچھا جناب میں چلتا ہوں پولیس آرہی ہے۔“

ظفر نے اچانک خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”مٹھروہم تمہیں نہیں مارتے دیں گے۔ ہو سکتا ہے تم مجرموں کے ساتھی ہو۔“

اچانک ڈاکٹر آصف نے ظفر کا بارو پکڑ لیا۔

”ارے حاجب کیوں مجھے مردانے کا ارادہ ہے۔ یہاں کی پولیس تو ہلاک سے

زیادہ فٹام اور چنگیز خاں سے زیادہ سخت ہے۔ وہ بھلا میری بات کب

مانیں گے کہ میں مجرم نہیں ہوں۔“

ظفر نے متوجہ نہ لہجے میں جواب دیا اور وہ ساتھ ہی ساتھ اپنا بازو پھیلانے کی

بھی بھر پور کوشش کر رہا تھا۔ مگر اب ڈاکٹر رحمان نے بھی اس کا دوسرا بازو

پکڑ لیا تھا۔

”اچھا جناب آپ چاہتے ہیں کہ میں پولیس میں مارا جاؤں تو آپ کی مرضی۔“

ظفر نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کہا۔

اب پولیس کی کاریں دور سے آتی ہوئی صاف نظر آرہی تھیں۔ دونوں
سائنڈالوں کو اطمینان ہو گیا کہ ظفر نے جدوجہد ترک کر دی ہے اور پھر جیسے ہی
ان کی توجہ پولیس کار کی طرف ہوئی ظفر نے ایک زوردار جھکادیا اور اس کے
دونوں ہاندان کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ دونوں سمجھتے ظفر
نے تیزی سے دائیں طرف دوڑ لگا دی۔

”ٹھہرو، ٹھہرو!“

ڈاکٹر رحمان اور ڈاکٹر آصف اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے پیچھے مگر دوڑنے میں
وہ ظفر کا مقابلہ کہاں کر سکتے تھے۔ ظفر امد کسی کام میں ماہر ہو یا نہ ہو بھاگنے
کے کام میں وہ ماہر تھا۔ چنانچہ چند ہی لمحوں میں وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
اور وہ دونوں پانیٹے ہوئے سڑک کے کنارے رک گئے۔ اسی لمحے پولیس کار
ان کے قریب آکر رک گئی اور اس میں سے سپاہی نکل کر تیزی سے ان کی
طرف بڑھنے لگے۔

خالد دوڑتا ہوا جیسے ہی ان نقاب پوشوں کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنے
قریب ہی موجود ایک سپورٹس کاریں جیسے دیکھا۔

خالد نے تیزی سے کار کے کچلے مارٹر کانشہ لیتے ہوئے ٹریک دیا دیا۔
لیکن اسی لمحے کار سارٹ ہو کر یوٹرن لے گئی تھی اور پھر خالد اگر پھرتی نہ دکھاتا
تو وہ سرے لمحے کار سے ہونے والی مشین گن کی فائرنگ اس کے جسم میں سیکنڈوں
درشتان پیدا کر دیتی۔ وہ انتہائی تیزی سے زمین پر لیٹ گیا تھا اور گولیوں کا ہوجھار
اس کے اوپر سے ہو کر گزر رہا تھا۔ وہ بال بال بچ گیا تھا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ
سنبھلتا کار یوٹرن لیتی ہوئی سیدھی اس کے اوپر چڑھتی چلی آئی۔ سپورٹس کار
فٹ، رفتار خاصی تیز تھی۔ اور وہ بلائے بے درمان کی طرح اس پر چڑھی چلی آ رہی

خالد کا ذہن اس سچے تیش سے مارتا ہوا رہ گیا۔ ایک لمحے کے لئے تو اس کا ذہن بالکل سپاٹ رہا پھر دوسرے لمحے زندگی بچانے کی فطری اپرج نے اس کی مدد کی اور اس نے انتہائی تیزی سے دائیں سائیڈ کی طرف تین چار کروٹیں لیں اور کار اس سے چند پاؤں قریب سے گزرتی چلی گئی۔ کار کی دائیں سائیڈ سے مشین گن کار پر اس کی طرف ہوا مگر اس سے پہلے کہ مشین گن بھڑا جوا اپنی گردن باہر نکالے اس کا ٹاڈ لینے والا تھا اضطراری طور پر اس کے ریو اور سے نکلی ہوئی ٹولی کا شکار ہو گیا۔ کروٹیں لیتے ہوئے اس کی اٹھلی کا دباؤ میزرائی طور پر ٹریگر پر چڑ گیا اور گولی اس کی پیشانی میں لگی چنانچہ ایک چیخ بلند ہوئی اور اس آدمی کے ہاتھ سے مشین گن نکل کر نیچے آ گئی۔ کار تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

خالد پھرتی سے اٹھا اور دوسرے لمحے اس نے زمین پر پڑی ہوئی مشین گن اٹھالی۔ کار حالانکہ کچھ فاصلہ طے کر چکی تھی مگر خالد نے کار کے ٹائروں کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ مشین گن سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ نکلی کار کا ایک ٹائر زوردار دھچک سے پھٹ گیا۔ ظاہر ہے کوئی نہ کوئی گولی تو فٹ نے پر لگ ہی گئی ہوگی۔ جس طرف کار جا رہی تھی اسی طرف چھاڑیوں سے اٹا ہوا ایک وسیع میدان تھا۔ چند لمحوں تک تو کار کا ڈرائیور بچے ہوئے ٹائر کے ساتھ کار دوڑاتا رہا مگر پھر کار بے قابو ہونے لگی اور دوسرے لمحے کار رک گئی۔

خالد ٹائر پھٹنے کی خوشی میں مشین گن لئے وہیں کھڑا بیٹھے کا انتظار کرنے لگا۔ کار رکے ہی اس نے ایک بار پھر ٹاڈ لینے کی کوشش کی مگر کار میں موجود آدمی اس سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چالاک تھا۔

وہ انتہائی پھرتی سے ہاتھوں میں بیگ اٹھاتے باہر نکلا اور پھر ٹپک جھپکے میں وہ کار کی اوٹ میں ہو گیا۔ خالد کو گولی چلانے کا موقع ہی نہ ملا۔ خالد چند لمحے اس کا اوٹ سے نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔ مگر وہ آدمی دوبارہ کار کی اوٹ سے نہ نکلا۔

"بچ کر کہاں جائے گا۔"

خالد دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ اور پھر محتاط قدم اٹھاتا ہوا کار کی طرف بڑھنے لگا۔

پولیس کاروں کے سائرن اب اس کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔ اس کے قدموں میں تیزی آ گئی اور پھر جب وہ کار کے قریب پہنچا تو صورت اس پر منکشف ہوئی۔ اس نے کار سے نکلنے والے کو بہت دور جھاڑیوں میں جھپکے جھپکے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ دراصل کار کی اوٹ میں کافی دور نکل آیا تھا۔ وہ شخص اتنی دور تھا کہ مشین گن کی زد سے بھی باہر تھا اور پولیس کے سائرن بھی نزدیک آ گئے تھے۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے فارمولا وہ کسی بھی قیمت پر مجرموں کے ہاتھوں میں نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اور اسے یہ بھی علم تھا کہ پولیس چند ہی لمحوں میں اس جگہ پہنچ جائے گی۔ اور پھر فارمولا بھی جائے گا اور وہ خود بھی جیل پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ اس نے فوری فیصلہ کرنا تھا۔

ابھی وہ اس کش کش میں تھا کہ اسے ظفر کے پھینکنے کی آواز سنائی دی ظفر اندھا دھند بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر

آرٹا ہے۔ اور پھر اسی لمحے اسے ایک نامناسب سی تدبیر سوجھ گئی۔ اس نے
ظفر کو تیزی سے قریب آنے کا اشارہ کیا اور کار کے کھلے دروازے میں
گھس گیا۔ چابی ابھی کی ہول میں ہی تھی۔ اس نے تیزی سے چابی گھما کر شارٹ
کی اور پھر گریٹر لگا دیا۔

دوسرے لمحے ہانتا ہوا ظفر اس کے قریب پہنچا۔

"جلدی کرو خالد پولیس آگئی ہے"

ظفر نے کار سے ٹیک لگاتے ہوئے اکھڑے ہوئے سانس میں کہا۔

"اندر بیٹھ جاؤ احسن جلدی کرو۔"

خالد نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا

اور ظفر بجلی کی سی تیزی سے مچھلا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔

خالد نے بیک در میں دیکھا پولیس کے سپاہی ان کی طرف بھاگے ہوئے

آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوا لور تھے اور وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے

تھے۔ شاید وہ انہیں رکے کے لئے کہہ رہے تھے۔

خالد کچھ جھوڑا اور پھر پوری قوت سے ایکسپلر دیا دیا۔ کار ایک

جھکے سے آگے بڑھی اور ایک ٹائر برسٹ ہونے کی وجہ سے وہ بری طرح

دائیں طرف جھکی۔ مگر خالد نے سٹیئرنگ کو پوری قوت سے بائیں طرف موڑ

دیا۔ کار الٹے الٹے پچی۔ کار لڑکھڑاتی ہوئی اچھلی کودتی کمان سے نکلتے ہوئے

تیر کی طرح آگے بڑھنے لگی۔

"ارے ارے کیا ہوا۔ کار چلا رہے ہو یا سڑکیں کوٹنے والا ابن!"

ظفر نے کار کی پوزیشن دیکھ کر چیخ کر کہا۔

خالد کا منہ کار کے سٹیئرنگ سے کشتی لڑتے لڑتے دو منٹ میں ہی سرخ

پڑ گیا تھا۔ ایکسپلر پر پورا دباؤ ڈالنے کے باوجود کار کی سپید خاصی کم تھی۔ اور

اسے خطرہ تھا کہ اگر یہی صورت حال رہی تو پولیس انہیں پکڑے گی یا دوسرا

ماتر بھی پھاڑ دے گی اور وہ بے بس ہو جائیں گے۔

"ظفر مشین گن اٹھا کر پولیس پر فائرنگ کرو۔ جلدی"

خالد نے بچنے بچنے بیچ میں ظفر کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"باپ رے باپ مجھ سے تو مشین گن نہیں چلتی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ تمہاری

کار تو تالا بازیاں کھا رہی ہے۔ اگر مشین گن کی نالی الٹ پلٹ گئی تو گولی مجھے ہی

لگے گی۔"

ظفر نے مشین گن اٹھانے کے ساتھ ساتھ حسب عادت اپنی کواکس مشین

کردی۔

"ظفر کے بچے جلدی کرو۔ ورنہ پولیس ہیں پکڑے گی۔"

خالد نے انتہائی مچھلا ہٹ سے کہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ ظفر کا

گلا گھونٹنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

پھر ظفر نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کھڑکی سے آدھا دھڑنکال کر

مشین گن کا دھانہ کھول دیا۔ کار کے بے تماشا اچھلنے کودنے کی وجہ سے گولیاں

بجیب انداز میں آگے بڑھ رہی تھیں۔ کبھی ان کا رخ دائیں ہو جاتا کبھی بائیں

کبھی اوپر اور کبھی نیچے

گو یہ خامی مضحکہ خیز پوزیشن تھی۔ مگر اس سے ایک فائدہ ضرور تھا کہ پولیس کے سپاہی فوراً ہی رک گئے۔ کیونکہ گولیاں کچھ اس پوزیشن میں آ رہی تھیں کہ آگے بڑھنے کا کوئی چانس ہی نہیں رہ گیا تھا۔

کار بہر حال آگے بڑھ رہی تھی۔

دو تنگ میدان پھیلنا تھا اور خالد کو دور بھاگنا تھا لہذا نقاب پوش صاف

نظر آ رہا تھا۔ کار لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

یہ ٹھیک ہے کہ کار کے چلانے میں خالد کے اعصاب پر بے پناہ دباؤ پڑ رہا تھا مگر اس کے ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ پاکیشیا کے سائنسدانوں کا اہم فارمولا کسی حالت میں بھی مجرموں کے ماتھے میں نہیں جانا چاہیے۔

چنانچہ وہ میرکس کے کمالات دکھاتا کار دوڑاتے چلا جا رہا تھا۔ ویسے اس حالت میں اگر اسے کوئی کار چلاتے دیکھ لیتا تو یقیناً اسے موٹر ڈرائیونگ میں چیمپئن کا خطاب ضرور دلا دیتا۔

مسل اور بے دھچکل اچھل کود سے ظفر کی بڑی پسلی برابر جوڑی تھی

”ارے یہ پسلی صراط کا سفر ختم بھی ہو گا کہیں۔ نعت بھیجو یا رشتا ہے یہاں کی جیل بھی ایرکڈریشنڈ ہوتی ہے اور پھر قیدیوں کو یسٹیرن بھی دکھاتے ہیں کیا خیال ہے؟“

ظفر نے اچھل اچھل کر اپنا فقرہ مکمل کیا۔

مگر خالد نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی تمام تر توجہ کار چلانے میں تھی۔ ویسے یہ بات بھی صمیم تھی کہ اگر اس کی ترجمہ ایک لمحے کے لئے بھی بٹ جاتی تو کتا

”دوسرے لمحے الٹ جاتی۔ وہ سمجھنے اب تک کیسے اسے کنٹرول کرتا چلا آ رہا تھا۔

اور پھر کار مجرم کے قریب پہنچ گئی۔ خالد نے دانت بھینچ لئے۔ وہ چاہتا تھا کہ

اسی کار سے مجرم کا سر ہیٹ کے لئے پکل دے۔ مگر دوسرے لمحے کار اس بری طرح

اچھی کہ خالد کے ماتھے سے سیٹرنگ چھوٹ گیا اور ظفر کا جیج نکل گئی کیونکہ اس کا

سر کار کی چھت سے بری طرح ٹکرایا تھا

کار ایک خشک نالے میں گھس کر رک گئی تھی مگر مجرم اب تھوڑی ہی دور

ہو گا۔ وہ بھی بار بار دیکھ کر کار کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہا تھا اور ہر بار اپنی نثار

پہلے سے تیز کر دیتا۔

جلدی کرو باہر نکلو۔“

خالد نے سیٹرنگ کی سائیڈ والا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگاتے ہوئے

کہا اور ظفر تو خدا سے دعا کر رہا تھا کہ کب اس الم ناک اور استخوان شکن مسافر

سے اس کو نجات ملے گی چنانچہ اس نے بھی باہر نکلنے میں دیر نہ کی۔

خالد نے مشین گن کا تھم لینے لے لی اور پھر تیزی سے مجرم کی طرف بھاگنا

شروع کر دیا۔ ظفر بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ مگر اس کے جسم کا انجرو بخر کچھ اس

بری طرح ڈھیلنا تھا کہ جسم کا پرزہ پرزہ علیحدہ علیحدہ سمت میں مڑ گیا تھا۔ بھاگنا

وہ سیدھا چاہتا تھا مگر دائیں ٹانگ بائیں طرف اور بائیں ٹانگ دائیں طرف بھاگنے

پر مصر تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی قدم پر وہ منہ کے بل زمین پر گر رہا اور شاید اسی وجہ

سے اس کی زندگی بچ گئی۔ کیونکہ گولی سائیں کی آواز سے اس کی کھوپڑی سے چند

ایک اور پر سے گزرتی چلی گئی تھی۔ اگر وہ نہ گزرتا تو یقیناً اس وقت اپنی کھوپڑی کے پرزے چن رہا ہوتا۔

مجھ نے غور کر اس پر گولی چلا دی تھی۔ خالد مجرم کو مار گرتے دیکھ کر پہلے ہی نیچے گر گیا تھا اور پھر خالد نے مشین گن کا دبانہ کھول دیا۔ مگر ایک ہلکی سی ٹک کے علاوہ مشین گن سے اور کوئی آواز نہ نکلی۔ مشین گن کے کارتوسوں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ ظفر نے شاید اس وقت تک گولیاں چلائے رکھی تھیں جب تک آخری گولی نے ساتھ دیا تھا۔

خالد گھبرا گیا۔ اس کا ریا اور تونہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔ وہ اسی مشین گن پر بھروسہ کئے ہوئے تھا اور عین موقع پر مشین گن بھی بے دفائی کر گئی تھی۔ مجرم بھی شاید صورت حال کو سمجھ گیا تھا کیونکہ وہ بھی اب ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

ظفر اور خالد جھڑپوں کی آڑ میں دبکے ہوئے تھے۔ کیونکہ مجرم ہاتھ میں ریا اور پکڑے چمکنا کھڑا تھا۔

ابھی خالد اس صورت حال سے بیٹھنے کے لئے کوئی طریقہ سوچ رہا تھا کہ اس کے سر پر گولیاں ہٹ کی آواز سنائی دی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک چھوٹا سا ہیلی کاپٹر ان کے سر پر چکر لگا رہا تھا۔ مجرم نے ایک لمحے کے لئے ایٹک ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف رخ کر کے ایک غار کو دیا۔

دوسرے لمحے ہیلی کاپٹر جس پر مکہ زراعت کا مخصوص نشان بنا تھا تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ مجرم کے قریب ہی زمین پر ٹک گیا۔ اس

یہ ہے ایک آدمی اتارے میں مشین گن اٹھاتے باہر نکل آیا۔

نقاب پوش تیزی سے اس کی طرف بڑھا ابھی وہ ہیلی کاپٹر کے دروازے کے قریب پہنچا تھا کہ اچانک ظفر کو کیا سوچھی کہ اس نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر پٹے ہی پٹے سر پر گھما کر پوری قوت سے ہیلی کاپٹر کی طرف پھینک دیا۔ ان کے درمیان زلیخا خاصہ نہیں تھا اس لئے وہ چھوٹا سا پتھر گولی کی طرح ظفر کے ہاتھ سے نکل کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔ اب یہ اس نقاب پوش کی ہمت ہی تھی کہ وہ اس پتھر کی زد میں آگیا اور کھٹاک کی آواز سے پتھر اس کی کھوپڑی پر پڑا اور ایک ہلکی سی چیخ مار کر وہ نیچے گر پڑا۔ دونوں بلیک اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے تھے۔ مشین گن بردار اس کی چیخ سن کر اس کی طرف بڑھا اور ظفر اور خالد دونوں موقع غنیمت جان کر اپنی جگہ سے اٹھے اور تیزی سے اس کی طرف بھاگ پڑے۔ مشین گن بردار ان کے بھاگنے کی آواز سن کر مڑا۔ مگر اس وقت تک مشین گن چلانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ نکل چکا تھا۔

وہ دونوں اس کے سر پر پہنچ چکے تھے

خالد تو سیدھا اس نقاب پوش کی طرف گیا تھا اور ظفر کا رخ مشین گن بردار کی طرف تھا۔ مشین گن بردار کے مڑنے کے باوجود ظفر کا نہیں اور کسی سرکش مینٹھے کی طرح اس کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا اور پھر اس کے سر کی گرد و غبار مشین گن بردار کے سینے پر پڑی اور وہ پیچھے الٹ گیا۔ ظفر اس کے اوپر تھا۔

ہیسی کا پٹر کا ڈرائیو ر ہلقاب پوش کی چیخ سن کر تیزی سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں دیوار تھا۔ مگر خالد وہ نون بیگ پکڑے تیزی سے ہیسی کا پٹر کے نیچے ریگ گیا۔ نقاب پوش کو چوٹ خاصی آئی تھی اس لئے وہ ابھی تک سر پکڑے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

ادھر ظفر جیسے ہی مشین گن بردار کے اوپر گرا وہ سرے لئے وہ اس پھرتی سے اکٹھے کھڑا ہوا جیسے اس کے جسم میں ہڈیوں کے بجائے پیرنگ لگے ہوئے ہوں اور پھر اس نے مشین گن اٹھانے میں دیر نہیں لگائی۔ ہیسی کا پٹر ڈیڑھ فٹ اس پر نارتو صرور کیا مگر جلدی میں نشانہ خطا ہو گیا اور ظفر نے اسے دوسری گولی چلانے کی دولت ہی نہ دی۔ اس نے مشین گن کا دھماکہ کھول دیا اور تڑا ہٹ کی آواز کے ساتھ ہی ڈرائیو والٹ کو نیچے آگرا۔ اس کے جسم میں بیک وقت نہ جانے کتنی گولیاں تیر گئی تھیں۔ ظفر کی مشین گن سے نکلنے والی دوسری بوجھاڑنے نقاب پوش اور سابقہ مشین گن بردار کو ساکت کر دیا۔

"باہر نکلو بزدل خالد آج چنگیزی خون جوش کھا رہا ہے۔"

ظفر نے بانو اکڑا کر کہا اور ہلچے کو گر جدار بناتے ہوئے بڑھک لڑی۔

اور خالد وہ نون بیگ اٹھائے تیزی سے باہر نکل آیا۔

"شباباش میرے شیر آج تو اپنی ماں کا دودھ حلال کر دیا ہے۔"

خالد اس کی خلاف توقع بہادری اور پھرتی سے خاما متاثر ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ ظفر کوئی جواب دیتا انہیں ایک شور سنا سنا کی دیا اور دونوں نے تیزی سے مرکز دیکھا پولیس کاریں اچھلتی کودتیں تیزی سے ان کی طرف

بڑھ رہی تھیں۔

ان کی رفتار خاصی تیز تھی۔

"ارے باپ رے مارے گئے۔ اب مجھے پھانسی سے کوئی نہیں بچ سکتا۔"

ظفر کے ہاتھ سے مشین گن چھوٹ کر نیچے جا گری اور اسے تصور میں بجلی کی کرسی صاف نظر آنے لگی۔

"جلدی کرو ہیسی کا پٹر میں سوار ہو جاؤ۔"

خالد اچھل کر ہیسی کا پٹر میں سوار ہو گیا

ظفر نے بھی اس کی پیروی کی۔ مگر ہیسی کا پٹر تو انہوں نے زندہ کال بھی چلایا ہی نہیں تھا۔

خالد ڈرائیو لگ سیٹ پر بیٹھا تیزی سے سامنے لگے ہوئے بے شمار سو پکڑ

پر ہاتھ اڑا رہا تھا۔ کبھی دھوکہ کوئی سو پکڑ دیا دیتا کبھی کوئی۔ اور پھر ایک سرخ

رنگ کا سو پکڑ دباتے ہی ہیسی کا پٹر کے اوپر لگے ہوئے بڑے سے پر تیزی

سے گھومنے لگے اور سامنے ایک بورڈ پر سرخ بلب تیزی سے جلنے بجھنے لگا

"جلدی کرو خالد کاریں اب قریب آگئی ہیں۔"

ظفر نے خوفزدہ ہلچے میں کہا۔

"مگر یہ اٹھے گا کیسے۔"

خالد نے گھبراتے ہوئے ہلچے میں جواب دیا۔

اور پھر اس نے نادانستہ طور پر ایک راڈ کیپچر دی۔ اور نتیجہ خلافت ترقی

معیج ثابت ہوا۔ ہیسی کا پٹر تیزی سے اوپر اٹھنے لگا۔ مگر اس کا زامیہ پٹر عاتقا۔

وہ سائیڈ کے بل اور پراٹھ مار رہا تھا۔ ظفر اگر تیزی سے سیٹ کی پشت کو نہ چمت
جاتا تو یقیناً اپنی کا پٹر سے پیچھے گر پڑتا۔

"ارے ارے یہ صحتاً کرو۔ میری تو آنتیں ہی الٹی ہو گئیں۔"

ظفر نے سیٹ کی پشت کو چمٹے ہوئے پیچھے کر لیا۔

ادہ خالد نے سٹیئرنگ راڈ کو بائیں طرف کھسکا دیا۔ سبلی کا پٹر لڑکھڑایا اور

اب وہ دوسرے زاویے پر سٹیئرنگ راڈ پر کھسکا دیا۔ لیکن وہ بدستور ادھر پراٹھ رہا تھا۔ اور

ظفر کو ایک بار پھر سیٹ سے کشتی لڑنا پڑی۔

"ارے نامعقول بروہم بے دال تمہیں کسی حکیم نے کہا تھا کہ سبلی کا پٹر لڑاؤ

اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبو گے۔"

ظفر بھی طرح پیچھے رہ گیا تھا۔

خالد نے کوئی جواب دیے بغیر سٹیئرنگ راڈ کو تیزی سے دائیں بائیں کرنا

شروع کر دیا اور سبلی کا پٹر کبھی دائیں رخ میں کھڑا ہو جاتا اور کبھی بائیں رخ اور

ظفر سیٹ کی پشت پر پڑے ہوا میں جھولنے لگا۔

خالد سٹیئرنگ راڈ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا اس لئے وہ قدرے

بچا ہوا تھا۔ اور چند لمحوں کی کش مکش کے بعد سٹیئرنگ راڈ ایک جگہ سیٹ

پر ہو گئی۔ اب سبلی کا پٹر سیدھا ہو گیا تھا۔

"خدا کی پناہ یہ سالی جاسوسی تو جان جو کھوں کا کام ہے نہ جانے کون

حق ہے جو جاسوس بن جاتے ہیں۔"

ظفر نے اب سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

سبلی کا پٹر مسلسل ادھر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اب نیچے دو سیس کاریں پھوں
کے کھونڈوں کی طرح نظر آرہی تھیں۔

"ارے اب اسے آگے بھی بڑھاؤ کہ ادھر پلانڈ میاں سے ملاقات کرنے کی

خواہش ہے۔"

ظفر کو اطمینان کا سانس لینے کے بعد خیال آیا کہ سبلی کا پٹر آگے بڑھنے کی بجائے

مسلسل ادھر ہی چڑھتا چلا جا رہا ہے۔

اب تو دونوں کے کانوں میں ہوا کے ہلکے ہونے کی وجہ سے سیٹیاں بجنے

لگ گئی تھیں۔

"ارے کچھ کرو بھی یہ پھر سہت جاتا میں اسے چلاتا ہوں۔ میں نے بچپن میں

کئی دفعہ چالی والا سبلی کا پٹر چلا یا ہے۔"

ظفر نے خالد کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"کان نہ کھاؤ یا رکو شش تو کر رہا ہوں۔ لگ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی۔ ان

انجینئروں سے بھی خدا سمجھے۔ دنیا بھر کے سو ہیج لگا دیئے ہیں۔ اگر وہ چار

سو ہیج لگا دیئے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔"

خالد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اور پھر ایک ناب اس نے جیسے ہی کہی تھی۔ سبلی کا پٹر کو ایک دور وار جھٹکا

لگا اور اب وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگ گیا تھا۔

دونوں نے اطمینان کی سانس لی۔

سبلی کا پٹر انتہائی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور وہ اتنی بلندی پر آگئے۔

تھے کہ نیچے زمین پاٹ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ خالد ابھی تک
ہیلی کاپٹر کی ٹینجری کو سمجھنے کی تگ و دو میں مصروف تھا۔ وہ مطمئن نہیں
تھا۔ کیونکہ اچانک ہی کچھ ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے اتنی بلندی سے گرنے کے
بعد ان کی جنت میں ہی آنکھ کھل سکتی تھی۔

خالد نے ایک اور راؤ لگھایا اور پھر انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کی
آنکھیں لگے میں آگلی ہوں۔ ہیلی کاپٹر ہیکل ابلڑا وارنہ چھلکے سے نیچے پھرا تھا۔
ظفر سیٹ سے اٹھ چلا کر نیچے جا گرا۔ سیٹ کا ڈنڈا اس کے
ہاتھ میں رہ گیا ورنہ اس بار وہ یقیناً نیچے گر ہی جاتا۔

جیسے ہی لاچھو کا کھاکر ہیلی کاپٹر سیدھا ہوا۔ خالد نے بڑی ہرق
سے وہی ناب و دہ بارہ واپس لگھا دی۔

اور ہیلی کاپٹر وہ بارہ ہوا۔ کھانا کھا تا بھا ہو گیا۔
"کیا مصیبت ہے ہیلی کاپٹر کیا ملی گیا۔ آپ نے اب سرکس کے
کمالات دکھانا شروع کر دیئے ہیں۔"

ظفر نے اٹھ کر واپس سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
ہیلی کاپٹر اب تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔
"بگ پڑے ہیں نہ۔"

خالد کو اچانک ان بگیوں کا خیال آیا۔ اب تک اپنی ہی کش کش میں وہ
دونوں بگیوں کو فراموش ہی کر بیٹھے تھے۔
"کہاں ہیں بگ۔"

ظفر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا
"ہیں۔ خالد نے چونک کر کہا۔

اور پھر اس کی نظریں تیزی سے ادھر ادھر اٹھ گئیں جبکہ اس نے
ہیلی کاپٹر میں سوار ہوتے ہوئے بگ رکھے تھے۔

بگیوں کا ہیلی کاپٹر میں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یقیناً ہیلی کاپٹر کی الٹ
پھیر میں دونوں بگ کھک کر نیچے گر چکے تھے۔
"مارے گئے۔"

خالد نے راؤ چھوڑ کر سر پکڑ لیا۔
اور ظفر الٹی طرح دیہے گھماتے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا
تھا۔

جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ قہقہہ مار کر ہنسے یا دھاڑیں مار کر
رو پڑے۔

جن بگیوں کی خاطر انہوں نے یہ سب کارنامہ انجام دیا تھا وہ نہ جانے
اس وقت کہاں ہوں گے۔

سٹیئرنگ راؤ چھوڑتے ہی ہیلی کاپٹر کا رخ اچانک زمین کی طرف ہو
گیا تھا اور وہ انتہائی تیزی سے لمحہ بہ لمحہ نیچے چلا جا رہا تھا اور خالد سر پکڑے
بیٹھا تھا۔ اور ظفر اسے گھور رہا تھا۔ دونوں ہی اس حالت سے بے خبر تھے
کہ چند ہی لمحوں بعد ہیلی کاپٹر پوری قوت سے زمین سے ٹکرا جائے گا اور پھر۔۔۔

باس کا چہرہ منہ کی شدت سے سیاہ پڑ چکا تھا۔ وہ بار بار اپنی مٹھیاں
بھینچ رہا تھا۔ جیسے اس کا بس نہ چل رہا ہو۔ ورنہ سامنے کھڑے ہوئے
ماہر کو کچا چبا جائے۔

”یہ سب کیا ہے، دونوں ڈرے ہمارے پورے بدن کو تھلک کر کے خاروں
لے گئے اور ہم جنہیں اپنی تنظیم پر اتنا ناز ہے یوں ناچتے رہ گئے۔“ باس
آخر بھٹ پڑا۔

سامنے عظیم شہیم ماہر سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس کا رنگ زرد تھا
اور خوف کی شدت سے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

”باس کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا۔ ورنہ ہماری

پلاننگ اتنی مکمل اور جامع تھی کہ اس میں ایک فیصد بھی ناکامی کا خطرہ
نہیں تھا۔“

ماہر نے کانپتے ہوئے ہلچے میں کہا۔
”پلاننگ۔ پلاننگ۔ پلاننگ۔ کیسی پلاننگ سب بکواس ہے۔ یہ پلاننگ
ہے۔ ہمارے پانچ چھ آدمی مارے گئے۔ کار تباہ ہوئی۔ ہیلی کاپٹر قبضے
سے گیا اور پھر بگ بھی وہ لے اڑے۔ کون دونوں ڈرے اور اس کے
باوجود تم پلاننگ کی رٹ لگاتے ہوئے ہو۔“
باس نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

اور پھر منہ اس سے برداشت نہ ہو سکا اور کمرہ طاپچے کی دروازہ
آواز سے گونج اٹھا۔

باس نے پوری قوت سے ماہر کے گال پر طاسخ مارا تھا۔ ضرب
اتنی زوردار تھی کہ ماہر فرش پر گر پڑا تھا اور اس کے گال پر پانچوں
انگلیوں کے نشان ابھرتے تھے۔

”میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ تمہاری وجہ سے آج مجھے اپنی بوٹیاں نوچنی
پڑی ہیں۔“

باس نے مینر پر پڑا ہوا ریلو اور اٹھاتے ہوئے چیخ کر کہا۔

”باس معاف کر دیجئے۔ فارگاہڈ سیک، معاف کر دیجئے۔“

باس نے آخری چارہ کار کے طور پر باس کے پاؤں پکڑ لئے۔

اور باس جو غصے میں ٹرگیدو بنا نا ہی چاہتا تھا رک گیا۔ اس نے اپنے دانت

بچنے کے لیے جیسے وہ منہ کو پی رہا ہو۔ بہر حال مامقرا اس کی تنظیم کا سب سے ذہین ممبر تھا۔ وہ غصے کو پی گیا۔
"کھڑے ہو جاؤ۔"

باس نے اس دفعہ لمبے کو قدرے نرم کرتے ہوئے کہا اور مامقرا تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ خوف کی شدت سے اس کا جسم ابھی تک کانپ رہا تھا اور چہرے پر ایسے سفید ہو گیا تھا جیسے کسی نے سارا رنچنچوڑ لیا ہو۔ اس کی آنکھیں موت کی رشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اسے شاید یقین نہیں آ رہا تھا کہ باس نے اس کی غلطی صاف کر دی ہے۔

اس سے پہلے مامقرا کے سامنے ایسی کوئی مثال نہیں تھی کہ باس نے کبھی بھی رحم کی کا ثبوت دیا ہو۔ تنظیم میں وہ موت کے فرشتے کے ہم سے مشہور تھا۔ معمولی سی غلطی پر گولی مار دینا اس کی عادت تھی اور پھر اتنے بڑے واقعے پر وہ اسے صاف کر دے گا۔ اس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔
"کرسی پر بیٹھو۔"

باس نے اس کی حالت دیکھ کر نرم ہلچے میں کہا۔
اور مامقرا خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔
باس مگھوم کر میز کے پیچھے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور بغور مامقرا کو دیکھنے لگا جو نظروں نیچے کے بیٹھا ہوا تھا۔

"ہمارا ناکامی اب کامیابی میں کیسے بدل سکتی ہے۔"
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد باس نے مامقرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"باس میں ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔ آپ نے میری غلطی صاف کر کے مجھے خرید لیا ہے۔ اب آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

مامقرا نے جواب دیا

"ہو نہ ہو لیکن تمہارے ذہن میں کیا پروگرام ہے۔"
باس نے نہ ہر خند ہلچے میں کہا۔

"باس سب سے پہلے تو ان دوڑ کوں کا ٹھکانا معلوم کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم ان سے یہ فارمولہ چھین لیں گے۔"

مامقرا نے جواب دیا۔

"مگر ان کا ٹھکانا کیسے معلوم ہو۔ اور یہ کیسے پتہ چلے گا کہ وہ کس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

باس نے جھجھکتے ہوئے ہلچے میں پوچھا۔

"باس ہمارے بیلی کا پٹر میں ایسا نظام ہے کہ وہ جہاں بھی اترے گا وہیں کالشن مل جائے گا۔ میرے آدمی اس کے لئے تیار ہیں کہ وہ جہاں بھی اترے اسے گھیر لیا جائے۔"

مامقرا نے جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ باس کوئی جواب دے اچانک سرے میں گھسیڑ کی بجھنا ہٹ کی تیز آواز کو سنے لگی۔ مامقرا نے چونک کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک سنہری منگڑیٹ کھین نکال لیا۔ اس نے تیزی سے منگڑیٹ کیس کھولا

اور اس میں موجود ایک سگریٹ کو دھڑ سے دھایا۔ دوسرے نے کھیروں کا گنجانا
کا آواز جو اس سگریٹ کیس سے نکلی رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بجائے
ایک ان ٹی آواز سیگٹ کیس سے نکلنے لگی۔

”ہیلو انچارج پوائنٹ سکس کاٹک اور“۔

”یس مقرر سپیکنگ اور“۔

مقرر نے قدرے ٹھکانہ پہنچے میں جواب دیا۔

باس خاموش بیٹھا یہ سب کاروائی دیکھ رہا تھا۔

”باس پوائنٹ سکس سے پچاس میل دور ڈیٹال کے قریب ہیلی کاپٹر
گڑ گرا تباہ ہو گیا ہے۔ اور“۔

انچارج پوائنٹ سکس کی آواز سنائی دی۔

”اوکے تھم نے چیک کیا اور“۔

مقرر نے حیرت زدہ پہنچے میں جواب دیا۔

اور ہیلی کاپٹر کی تباہی کی خبر سن کر اس بھی اچھل پڑا۔

”یس اس میں نے چیک کیا ہے۔ گمان دونوں آدمیوں کی لاشیں نہیں
میں۔ اور نہ ہی وہاں بیگز ملے ہیں۔ ظاہریوں ہوتا ہے کہ جس وقت ہیلی کاپٹر
تباہ ہوا وہ خالی تھا۔ اور“۔

انچارج نے تفصیلی بیان کی۔

”لیکن وہ دونوں کہاں جا سکتے ہیں جبکہ ہیلی کاپٹر میں پیرا شوٹ بھی موجود
نہیں تھے۔ اور“۔

مقرر نے تجربے پڑے ہیں سوال کیا۔

”ایک بات پر مجھے بھی حیرت ہے ہاں اور دوسری بات یہ کہ ہیلی کاپٹر
کا تباہی سے چند لمحوں پہلے پولیس فورس کے ہیلی کاپٹروں نے بھی ہیلی کاپٹر
کو گھیر لیا تھا۔ ہیلی کاپٹر ان کے سامنے تباہ ہوا ہے۔ ان کی رپورٹ کے
مطابق ان کے سامنے ہیلی کاپٹر سے کوئی دھڑ نہیں آتا۔ اور“۔

انچارج نے مزید تفصیل بتلائی۔

”تم نے کس حیثیت سے وہاں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ اور“۔

مقرر نے اچانک ایک خیال کے تحت سوال کیا۔

”میں پولیس کو ایک نامزد کار کی حیثیت سے ملے ہوں جناب۔ اور“۔

انچارج نے جواب دیا۔

”فیک ہے۔ تم پولیس کو مزید کر دینے کی کوشش کرو۔ میں خود بھی آ رہا
ہوں۔ اور آئندہ“۔

مقرر نے جواب دیا

اور پھر سگریٹ دبا کر رابڈ ختم کر دیا۔

”ہمارا اکلوتا ہیلی کاپٹر بھی تباہ ہو گیا مقرر اور نہ ہی وہ دونوں ملے اور
نہی بیگز“۔

باس نے مقرر سے مخاطب ہو کر کہا۔

”باس میرا خیال ہے کہ وہ بیگز سمیت راستے میں ہی نہیں کود گئے ہوں
گے۔ میں ہیلی کاپٹر کے راستے پر تحقیق کروں گا۔ امید ہے ان کا پتہ معلوم ہو جائیگا“۔

www.UrduFanz.com

مقرر نے موویا نہ بھیجے میں جواب دیا۔

"میں یہ کام فوراً ہو جاتے۔ اور دیکھو اب پولیس بھی ان کے پیچھے لگ چکی ہے۔ بکیر پولیس کے ہاتھ میں جانے سے پہلے ہمارے پاس پہنچ جانے چاہئیں۔"

باس نے مقرر کو تسکین نہ بھیجے میں کہا۔

"آپ بے فکر رہیں باس ایسا ہی گا۔"

مقرر نے کہا

اور میرا اجازت طلب نگاہوں سے باس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میکلک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ اور سنو، میں اب ناکامی کی بات سننے پسند نہیں کر دوں گا۔"

باس کا لہجہ ایک بار پھر خوشنما ہو گیا۔

"بہتر باس۔"

مقرر نے جواب دیا

اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا کرے سے باہر نکل گیا۔

ساتھ دونوں کے ساتھ پیش آنے والے اس ہونٹک حادثے نے شہر کے اعلیٰ حکام میں تھلک مچا دیا تھا۔ فوری طور پر بین الاقوامی سائنس کا نفرین ملوث کر دی گئی اور پولیس اور سیکورٹی سرورس حکام کو فوری طور پر مجرموں کی گرفتاری اور کارروائی کی داپسی کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ تمام شہر میں پولیس اور اینٹی منس نے ناکہ بندی کر دی اور ہر طرف خالہ اور خطر کی تلاش شروع ہو گئی جلد ہی پولیس نے اس ہوٹل کا پتہ چلا یا جہاں وہ دونوں مقیم تھے۔ پھر ان کے سامان کی باریک بینی سے تلاشی لی گئی۔ چنانچہ ان دونوں کے متعلق تمام تفصیلات پولیس کے سامنے آ گئیں۔ ان کے کاغذات میں سے ان دونوں کے فوٹو بھی مل گئے جو شاید انہوں نے ویزے وغیرہ پر لگانے کے لئے بنوائے ہوئے تھے۔ ان کے حلیے

یہ یوں سے نشر کر دیتے گئے۔ اور تمام پولیس حکام کو ان کی لاپتیاں فوری طور پر
بانٹ دیا گئیں اور انہیں زندہ یا مردہ حالت میں گرفتار کرنے کے احکام صادر
ہو گئے۔

پاکستان کے سفیر ڈاکٹر رحمان اور ڈاکٹر آصف کو جب یہ پتہ چلا کہ دونوں ان
کے اپنے ملک پاکستان کے باشندے ہیں تو وہ حیران رہ گئے۔

اس وقت بھی سہارن شاہی خانہ میں سینہ دونوں ڈاکٹر اور سہارن شاہی کے
اصلی حکام اسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔

"میرے خیال میں مجرم کوئی امر ہیں۔ خالد اور نگران کے پیچھے لگے ہوئے
تھے۔ اصل مجرم وہ نہیں بلکہ کوئی امر ہیں۔"

ڈاکٹر رحمان نے حکام کو بتلایا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں جناب بیک وہ دونوں بے گئے ہیں۔ بیلی لاپٹر
بھی انہوں نے اڑا لیا ہے۔ اگر وہ مجرموں کے خلاف کام کر رہے تھے تو انہیں
پولیس سے تعاون کرنا چاہیے تھا۔ نہ کہ پولیس کے خلاف کام کرتے۔ آپ
شائد اس لئے ان دونوں کی حمایت کر رہے ہیں کہ وہ آپ کے ملک کے باشندے
ہیں۔"

ایک پولیس آفیسر نے سخت لہجے میں کہا۔

"محترم آپ نا جائز طور پر ہمیں الزام دے رہے ہیں۔ مجرم خواہ کسی
بھی ملک کے ہوں مجرم ہوتے ہیں اور پھر جو فارمولہ ہم سے چھینا گیا ہے آپ
کو شائد اس کی اہمیت کا علم نہیں ہے۔ ہم نے برسوں اس فارمولے پر محنت کی ہے

تب ہم اس فارمولے کو نکالیں پذیر کر سکتے ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلے ہمیں
دوسرے مجرموں نے رد کا عقاب انہوں نے ہم سے بگڑ چھینے وہ ہیں باہر نکلنے کا
حکم دے رہے تھے کہ یہ دونوں افراد ویکی میں دہاں پہنچے۔ انہوں نے دہاں
نقاب پوشوں کو ختم کیا۔ ایک لڑکا جس کا نام آپ نے ظفر بتلایا ہے ہمارے
پاس ٹھہرا رہا دوسرا نقاب پوشوں کے پیچھے بھاگا۔ ہم نے ظفر کو پکڑ لیا۔ وہ
پولیس سے خوفزدہ تھا۔ بہر حال وہ ہم سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا جبھر اس کا
ساتھ لیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان مجرموں میں سے نہیں تھے
جنہوں نے نقاب پہنے ہوئے تھے۔ اور پھر آپ کے بیان کے مطابق وہ بیلی لاپٹر
چلانے میں بھی انارٹی تھے۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ مجرم
نہیں تھے بلکہ مجرموں کے خلاف کام کر رہے تھے۔"

ڈاکٹر رحمان نے تفصیل بیان کی۔

"ہو نہ ہو۔ یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔ اس میٹنگ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ
ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کے پاس فارمولے کی دوسری کاپی بھی ہے یا نہیں
اور اگر فارمولہ لے تو کیا آپ اسے دوبارہ مرتب کر سکتے ہیں۔"

پولیس آفیسر نے بڑے سخت آئینہ لہجے میں سوال کیا۔

"آپ کے اس سوال کا مقصد ہم نہیں سمجھ سکتے۔"

اس بار سفیر نے دغلی اندازی کرتے ہوئے کہا۔

"جناب ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ فارمولے کی اہمیت کا ہمیں صحیح اندازہ
ہو سکے۔"

پولیس افسر بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور اس نے بیرونی دروازہ بھی بند کر دیا۔

چند لمحوں بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں ابھی تک سہری کے نیچے ہی تھے۔

"اب آپ باہر نکل آئیے پولیس جا چکی ہے۔"

حسینہ نے تیز لہجے میں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

اور پھر خالد نے چادر کا کونہ اٹھا کر سر باہر نکالا اور جب اسے اطمینان ہو گیا کہ واقعی پولیس جا چکی ہے تو وہ باہر نکل آیا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھرتے تھے۔ اندھا دھند گورائیونگ اور پھر اس طرح بھاگنے سے

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور دل بے بھی اس کا رنگ سفید ہی تھا۔ اس پر چھائی ہوئی سرفخی نے اسے بے حرمین بنا دیا تھا۔ حسینہ اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اب اس آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی تھی۔

"اپنے ساتھی کو بھی باہر نکالتے۔"

اس نے خالد سے مخاطب ہو کر کہا۔

"باہر نکل آؤ یا خطرہ ٹل گیا ہے۔"

خالد نے ظفر سے مخاطب ہو کر کہا۔

"خطرہ کہاں ٹل گیا، خطرہ تو موجود ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اپنا ایمان کتنا عزیز ہے اور باہر ایمان دشمن کھڑی ہے۔ میرا ایمان خطرے میں ہے۔"

ظفر نے سہری کے نیچے سے ہی ہانک لگائی۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

ظفر نے چونکہ بات اردو میں کی تھی اس لئے حسینہ نہ سمجھ سکی۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کو دیکھ کر اسے شرم آتی ہے۔"

خالد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شرم۔"

حسینہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا اور دوسرے لمحے اس کے مترنم قبضے سے کمرے میں جلتی لکڑی بج اٹھا۔

"دیکھا۔ دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا کہ یہاں ایمان خطرے میں ہے۔ تم بھی یہاں آ جاؤ ورنہ کا فر ہو جاؤ گے۔"

ظفر نے مترنم ہتھ لسن کر سہری کے نیچے سے ہی جواب دیا۔

"نکل بھی آؤ سوور، حسینہ کچھ رام ہو گئی ہے اسے غصہ آ گیا تو ابھی پولیس کو بلا لے گی۔"

خالد نے غصے سے بھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سوور حسینہ کیا ہوتی ہے اب یہاں اگر تمہاری اردو بھی کمزور ہو گئی ہے۔"

ظفر نے سہری کے نیچے سے نکلے ہوئے کہا۔

باہر نکل کر پہلے تو اس نے اطمینان سے ہاتھ پیر جھاڑے اور پھر حسینہ کی طرف

مصالحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ حسینہ پہلے تو کچھ نہ سمجھی۔ پھر اس نے بھی مسکرا کر

اس سے ہاتھ ملایا اور دوسرے لمحے ظفر کی آنکھیں حیرت سے پھیلی جی گئیں کیونکہ حسینہ

نے ہاتھ ملانے کے ساتھ اس کا ہاتھ ہلکے سے دبا بھی دیا تھا اور ظفر احمق ہونے کے باوجود

ڈاکٹر آصف نے رازدارانہ انداز میں انکشاف کیا۔

اور ڈاکٹر رحمان کو یوں محسوس ہوا جیسے ان کے سر پر ایٹم بم پھٹ گیا ہوگی
آجیجیں حیرت کی شدت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھ رہ
گئے۔ جیسے ان کا جسم مفلوج ہو گیا ہو۔

ڈاکٹر آصف چند لمحوں تک معنی خیز نظروں سے اپنی بات کا رد عمل ڈاکٹر
رحمان پر دیکھتے رہے۔ پھر داد طلب ہنسے میں بولے۔

"ڈاکٹر رحمان کیا رہا؟"

"کیا تم پیچ کہہ رہے ہو؟"

ڈاکٹر رحمان نے حیرت کے شدید ترین جھٹکے سے منبھٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر دراصل ایئر پورٹ پر حملے سے میں چونک کر ہوا گیا تھا۔ مجھے اندازہ

تھا کہ جو لوگ اس ملک میں آتے ہی ہم پر حملہ کر سکتے ہیں وہ بعد میں ہی اپنی
کوشش ضرور کریں گے۔ اور میں اتنا اہم فارمولا اور اپنے کئی سال کی محنت
ان لوگوں کے ہاتھوں میں کیسے جانے دیتا؟"

ڈاکٹر آصف کا چہرہ مسرت سے گھٹا رہا تھا۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری ہے ڈاکٹر آصف۔ میں آپ

کے ذہن کی داد دیتا ہوں؟"

ڈاکٹر رحمان مسرت کی زیادتی سے اپنے ہاتھ مل رہے تھے۔

"ہاں ڈاکٹر مجھے خوشی ہے کہ فیروزانہ صبح رہا۔"

ڈاکٹر آصف نے جواب دیا۔

"مم۔ مگر جو کائنات میرے بگ میں تھے وہ تو اصلی ہیں۔"

اچانک ڈاکٹر رحمان کو خیال آیا۔

"نہیں ڈاکٹر رات کو میں نے آپ کے بگ کے کائنات بھی تبدیل کر لئے

تھے۔ میں نے سوچا اگر آپ کو بتاؤں تو شاید آپ میرے اندازے سے اتفاق

نہ کریں۔ اس لئے مجھے خفیہ طور پر یہ کام کرنا پڑا۔ میں اس کے لئے آپ سے لغزت

خواہ ہوں۔ کہ مجھے آپ سے چھپ کر یہ کام کرنا پڑا؟"

ڈاکٹر آصف نے کہا۔

"ارے نہیں۔ تم نے اچھا کیا۔ ہو سکتا ہے میں تم سے اتفاق نہ کرتا؟"

ڈاکٹر رحمان نے جواب دیا

اور پھر بولے

"مجھے پھر تم خاموش کیوں رہے۔ یہیں فوراً بین الاقوامی سائنس کانفرنس

میں چلا جانا چاہیے تھا۔"

"نہیں ڈاکٹر اگر میں خاموش رہتا تو یقیناً مجرم ہم پر سائنس کانفرنس کے

دوران ہی ہاتھ ڈال دیتے۔ اب مجرموں اور پولیس کو آپس میں لڑنے دیں۔ ہم

واپس چلے جاتے ہیں۔ ہم اصل فارمولا سائنس کانفرنس میں پیش نہیں کریں گے

بلکہ اپنی حکومت کے حوالے کر دیں گے۔ تاکہ وہ اس سے مطلوبہ اختیار تیار کر لیں اور

اس طرح ہمارے ملک کا دفاع ناقابل تسخیر ہو جائے گا۔"

ڈاکٹر آصف نے جواب دیا۔

"مگر سائنس کانفرنس میں یہ فارمولا پیش کرنے سے ہمیں عالمگیر شہرت ملے گی"

ہتھیار تو ہم بعد میں بھی بنا سکتے تھے۔

ڈاکٹر رحمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”نہیں ڈاکٹر ہمارے فارمولے کی بھٹک جرموں کے کانوں میں پڑ چکی ہے ہم نے دراصل انکی اہمیت کا غلط اندازہ لگایا ہے کافر قس میں اس فارمولے کے پیش ہوتے ہی اس کو حاصل کرنے میں بہت سے ملکوں کے درمیان رسد کشی شروع ہو جاتی اور درمیان میں ہم پس جاتے۔ ہو سکتا ہے ہماری بنائیں بھی چلی جاتیں۔ اب پوزیشن یہ ہے کہ تمام دنیا اور مجرم اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فارمولا ہمارے علم حق سے جا چکا ہے۔ اب ہم بڑے اطمینان سے ہتھیار تیار کر لیں گے۔“

ڈاکٹر آصف نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پھر ہمیں فوراً اپنے ملک واپس چلے جانا چاہیے۔“

ڈاکٹر رحمان نے ڈاکٹر آصف سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر ہم صبح ہی سفیر سے اس مسئلے پر بات کریں گے۔“

ڈاکٹر آصف نے جواب دیا

”مگر وہ فارمولا کہاں ہے مجھے دکھاؤ۔ میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔“

ڈاکٹر رحمان نے کہا۔

”وہ میرے کوٹ کی خفیہ جیب میں محفوظ ہے۔“

ڈاکٹر آصف نے اطمینان سے پرہیز میں کہا۔

”مجھے دکھاؤ۔“

ڈاکٹر رحمان نے اصرار کیا۔

”او۔ کے۔“

ڈاکٹر آصف نے کہا

اور پھر کوٹ کے بن کھولنے لگا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں چرنگ پڑے۔

ڈاکٹر آصف نے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولی دیا۔ باہر ملازم موجود تھا۔

”سرینچ لگ چکا ہے۔ تشریف لے چلے۔“

ملازم نے کہا

اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔

پنج کے بعد وہ سفیر کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے۔ سفیر کو پولیس کی کارکردگی کی تازہ رپورٹیں ملی رہی تھیں۔ مگر ابھی تک وہم گزرا نہیں ہو سکتے تھے۔ اجنبی خاندان سے بھی ان دونوں کو گھیرے ہوئے تھے اور وہ بڑی احتیاط سے ان کے سوالات کے جواب دے رہے تھے۔ حتیٰ کہ رات ہو گئی اور پھر ڈنر کے بعد وہ دونوں خواب گاہ میں چلے گئے۔

فرصت ملے ہی ڈاکٹر رحمانی نے ایک بار پھر فارمولا دیکھنے پر اصرار کیا اور ڈاکٹر آصف نے دروازہ بند کر کے جیب سے کچھ کاغذات نکالے اور

ڈاکٹر رحمن کے سامنے ڈال دیئے۔
ڈاکٹر رحمن نے بڑے اشتیاق سے وہ کاغذات اٹھائے اور انہیں
دیکھنے لگا۔

مگر دوسرے لمحے ان کے چہرے پر مرونی چھا گئی۔
”یہ تو جعلی کاغذات ہیں۔“

ڈاکٹر رحمان نے پھنسے پھنسے ہجے میں کہا۔
اور ڈاکٹر آصف یہ سن کر اچھل پڑا۔ اس نے تیزی سے ڈاکٹر رحمانی کے
ہاتھ سے کاغذات چھینے اور پھر جیسے ہی اس کی نظریں ان کاغذات پر پڑیں
وہ بوکھلا کر لائے کھڑا ہوا۔

”یہ تو واقعی جعلی ہیں۔ ہم۔ مگر میں نے تو جیب میں اصلی رکھے تھے۔ یہ تو
میرے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ تو میں نے بیگ میں رکھے تھے۔“
ڈاکٹر آصف کے ہجے میں انتہا درجے کی مایوسی کے ساتھ ساتھ تعجب بھی
شامل تھا۔

”کہیں آپ سے غلطی تو نہیں ہو گئی۔ آپ نے جلدی میں اصل کی بجائے
نقلی کاغذات جیب میں رکھ لئے اور اصلی دوبارہ بیگ میں رکھ دیتے ہوں۔“
ڈاکٹر رحمان نے کہا۔

اور ڈاکٹر آصف تیزی سے اپنے کوٹ کی جیبوں کی تلاشی لینے لگے۔
اور پھر وہ اس طرح مایوس ہو کر دم سے صونے پر گر گئے جیسے کوئی جاری اپنی آخری
پونجی بھی لٹا چکا ہو۔ اور ڈاکٹر رحمان سر مکڑ پر بیٹھ گئے۔

اور پھر سب سے پہلے ظفر کو احساس ہوا کہ ہیلی کا پٹر نیچے جا رہا ہے۔
”اے ہیلی کا پٹر نیچے گر رہا ہے اے سنبھالو۔“
ظفر نے صیغہ مکر خالہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

اور خالہ نے چونک کر ٹیسٹنگ راڈ سنبھالی۔

پہلے کا پٹر اس کی کوششوں کے باوجود نیچے گر رہا تھا۔ اس نے بڑی
”مزدوس انداز میں اور مردھڑا ہٹا پیر مارے۔ مگر ہیلی کا پٹر بڑی تیزی
سے نیچے جا رہا تھا۔ شاید اس کے انجن میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔“

”جلدی کو خالہ درنہر جائیں گے۔“

ظفر نے ہسٹریائی انداز میں چیخے ہوئے کہا۔

مگر خالد کے اپنے ملحقہ پاؤں پھول چکے تھے۔ اس نے مجھلاتے ہوئے انداز میں ایک سوئچ کو دبایا اور دوسرے لمحے نیچے گرتا ہوا سیلی کا پیٹر ایک جھٹکے سے بیدار ہو گیا۔

خالد اور ظفر دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سیلی کا پیٹر اب زمین سے کافی قریب ہو کر اڑ رہا تھا۔ اور دوسرے لمحے خالد چومک پڑا۔ اس نے دو تین سیلی کا پیٹر فضا میں بندھوتے دیکھے۔

”بہیں گھیرا جا رہا ہے۔“

خالد نے کہا

اور ظفر کے چہرے پر بھی مرونی چھا گئی۔

خالد نے ایک لمحے کے لئے نیچے دیکھا وہ اس وقت ایک کافی بڑی جھیل کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ اور دوسرے لمحے خالد تیزی سے اپنی سیٹ سے اٹھا۔ اس نے بڑی بھرتی سے ظفر کا بازو پکڑا اور ایک جھٹکے سے سیلی کا پیٹر کے کتلے حصے کی طرف بھاگا۔ سیلی کا پیٹر جھٹکے کھانے لگا۔

”ارے ارے مت کو دو۔ مرنے والے گئے۔“

ظفر نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔

مگر خالد اسے گھسیٹ کر کنارے کے قریب لے جا چکا تھا۔ اور دوسرے لمحے اس نے بھرتی سے ظفر کو دھکا دیا اور خود بھی کود پڑا۔

ظفر کی چیخ اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ مگر چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں جھیل میں جا گرے۔ سیلی کا پیٹر دکھڑاتا ہوا جھیل کو اس کرچکا تھا۔

کافی گہرائی تک جانے کے بعد جب خالد دوبارہ پانی کی سطح پر ابھرا تو اس نے دور سیلی کا پیٹر کو زمین پر گر گیا ہوتے دیکھا۔ آنے والے سیلی کا پیٹر اس سیلی کا پیٹر کے اوپر پڑا ذکر رہے تھے۔

خالد نے اسے اور اسی نظر سے دیکھا تو قریب ہی اسے ظفر کا ہاتھ پانی سے بندھوتا نظر آیا۔

ظفر شاید اچھا تیراک نہیں تھا۔ یا پھر اچانک گرنے سے اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ اس لئے وہ ڈوب رہا تھا۔ خالد نے جلدی سے ہاتھ پیر مارے اور چند لمحوں بعد وہ ظفر کے قریب پہنچ گیا اور پھر دوتے ہوئے ظفر کے اس نے بال پکڑ لئے۔ اور پوری قوت سے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ ظفر شاید بے ہوش ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ اور ایک لحاظ سے یہ اچھا بھی ہوا تھا۔ ورنہ ظفر اسے اپنی جان بچانے کے لئے لپٹ پڑتا۔ اور اس طرح اپنے ساتھ وہ خالد کو بھی لے دیتا۔ خالد اسے تیزی گھسیٹتا ہوا کنارے پر لے آیا۔ اور پھر خود باہر نکل کر اس نے ظفر کو بھی باہر گھسیٹ دیا۔

خالد نے تیزی سے ظفر کی حالت کا جائزہ لیا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ کہیں ظفر کے پیٹ میں پانی نہ پڑ گیا ہو۔ مگر ظفر صرت بے ہوش تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ خالد کی چند لمحوں کی کوشش سے ظفر ہوش میں آ گیا۔

”ظفر ہوش میں آؤ۔ پولیس ابھی یہاں پہنچ جائے گی۔“

خالد نے اسے تیز بھجے میں کہا۔

”پولیس۔ تو کیا جنت میں بھی پولیس ہوتی ہے پھر تو مارے گئے۔“
ظفر نے آنکھیں کھول کر تیزی سے اِدھر اُدھر دیکھے ہوئے کہا۔

”ارے احمق ہم ابھی دنیا میں ہیں اور تم جیسے گنہگار جنت میں نہیں جاتے
وہ زرخ کا ایندھن بنتے ہیں۔“

خالد نے اسے بارود سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

اور پھر ظفر پوری طرح ہوش میں آگیا۔

”جلدی یہاں سے نکل چلو۔ پولیس ہیں تلاش کرنے ضرور آئے گی۔“

خالد نے اسے کہا۔

اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دائیں طرف چل پڑا۔ اس کے کپڑے بڑی
طرح بھیگے ہوئے تھے اور اس میں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ اس لئے
ان دونوں کو چلنے میں کافی دشواری پیش آرہی تھی۔

”یار پہلے کسی دھوبی کی دکان پر چلیں۔ کپڑے خشک کروا کر استری کرائیں میری
توکرین کا ستیاناس ہو چکا ہے۔“

ظفر نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اور خالد کا دل جا چھا ظفر کو اٹھا کر دوبارہ جھپ میں پھینک دے۔ یہاں

جہاں کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور اسے گریز کی ٹکر کھاتے جا رہی ہے۔

ابھی وہ کتور دھڑی ہی دور لگے ہوں گے کہ انہیں اپنے چاروں طرف

پولیس کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور اس کے ساتھ ہی کھوج

لگائے دئے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ پولیس ان کی
تلاش شروع کر چکی تھی۔ آوازیں لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر آتی چلی جا رہی
تھیں۔
”بھاگو۔“

خالد نے دبے دبے بھجے میں ظفر سے کہا۔

اور پھر اپنی پائیں طرف موجو در پہاڑی کی طرف بھاگنے لگا۔ ظفر بھی
اتاق و حیزاں اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

جلدی وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ پہاڑی پر گھنا جنگل پھیلا
تھا اتنا اور چند ہی لمحوں بعد وہ دونوں جنگل میں گم ہو چکے تھے۔

”ارے کو کبھی سہی تم تو دولہا لیس چھپنے کی کوشش میں ہو۔“

ظفر نے مانپتے ہوئے خالد سے کہا۔

اور خالد تیزی سے ایک غار میں گھس چلا گیا

غار کا اندر گھنی جھاڑیوں سے بند تھا۔ خالد نے بڑی احتیاط سے جھاڑیوں

کو ہٹایا تھا اور پھر ایک سائیڈ سے دیگ کو اندر گھس گیا تھا۔ ظفر نے بھی اس کی

پیروی کی۔ اندر جا کر خالد نے دوبارہ جھاڑیاں ہراہک دیں۔ اب انتہائی قریب

آکر ہی کوئی شخص اس غار کا پتہ چلا سکتا تھا۔ ورنہ طائرانہ نظر میں غار کے

متعلق معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

غار کا کافی کسادہ کٹی۔ اس کے اندر بھی جھاڑیاں اُگلی ہوئی تھیں۔

خالد اور ظفر دونوں غار کی دیوار سے لپٹ لگا کر بیٹھ گئے۔

"یہاں تو سانپ وغیرہ نہیں ہوں گے۔"

ظفر نے اچانک کسی سوال کے تحت خالد سے پوچھا۔

"کیوں نہیں ہوں گے؟"

خالد نے چونک کر جواب دیا

وہ ظفر کے سوال کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔

"یہ تو دلالت ہے۔ یہاں بھلا کہاں سانپ ہوتے۔ سانپ تو ہمارے ملک میں ہوتے ہیں۔"

ظفر کے اطمینان سے جواب دیا۔

"یہاں ولایتی سانپ ہوتے ہیں۔"

خالد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے باپ رے پھر تو وہ دامن اے اور ڈی سے بھر پور ہوں گے جیسے ولایتی لکھی ہوتا ہے۔"

ظفر اچھل پڑا۔

اور خالد نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بھر پور تہمت لگانے پر مجبور ہو گیا اور

پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرنا ورنہ انہی جگہ سے اچھل پڑے کہیں نہ

پولیس کی سیٹیاں اور کنٹول کے بھونکنے کی آوازیں جو در سے آ رہی تھیں اب ان

کے بالکل قریب آنے لگی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے یار لوگ ہینچ گئے۔"

خالد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یار لوگ! تو کیا یہ کہتے تمہارے یار ہیں۔"

ظفر نے بڑے تعجب آمیز بھیجے میں سوال کیا۔

مگر خالد اسے جواب دینے کی بجائے جھاڑیوں کو ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

"ہم نے اپنا نشان تو خود دے دیا ہے۔ ہمارے کپڑوں سے ٹپکتا ہوا پانی اب نہیں سیدھا یہاں لے آئے گا۔"

خالد نے سامنے پانی کی ایک پتلی سی لکیر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس کے متعلق تو میں پہلے ہی سوچ رہا تھا۔ مگر پھر میں نے اس لئے

سوچنا چھوڑ دیا کہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ اسے ہمارے کپڑوں کا پانی ہی سمجھیں۔ وہ اسے پرندوں کا پیشاب بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

ظفر نے تکیا دیا۔

"تو کیا پرندے قطار میں پیشاب کرتے ہیں۔"

خالد نے جواب دیا۔

"ہر کتا ہے بھائی وہ سینا کا ٹکٹ لینے کے لئے لائن میں گئے ہوتے ہوں۔"

ظفر نے جواب دیا۔

"خاموش بھی رہے گا یا نہیں؟"

خالد اس کی بے یمنی بکواس سے جھجھکا گیا۔

"حقیقت تلخ ہوتی ہے میرے دوست اور ہر فلا سفر کو اس کے زمانے میں

یونہی جھجھکا یا جاتا ہے۔"

ظفر نے بڑبڑاتے ہوئے جواب دیا۔

خالد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں باہر لگی ہوئی تھیں۔ اب
ہا ہیوں کی آوازیں ان کے عین سر پر محسوس ہونے لگیں اور خالد اندر کی طرف
سمٹ گیا۔

اب ظفر کے چہرے پر بھی خون کے آثار تھے۔

اور دوسرے لمحے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سے ایک طوفان برپا ہو گیا
کتے اب غار کے باہر کھڑے مسلسل بھونک رہے تھے۔

”مجرم ہمیں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔“

ان کے ساتھی سپاہیوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

”ہاں پانی کی یہ لکیر تو یہی بتلاتی ہے کہ مجرم ادھر ہی آتے ہیں۔ مگر یہاں
سے وہ کیر غائب ہے۔ شاید پانی ہی خشک ہو گیا ہو۔“

ایک سپاہی نے جواب دیا۔

”تم دائیں طرف جاؤ اور تم بائیں طرف۔ ان کو تلاش کرو۔ مجرم ہر قیمت پر
ملنے چاہتے ہیں۔“

ایک آفسر نے دوسرے سپاہیوں کو حکم دیا۔

اور پھر باقی سپاہی کتوں کو گھسیٹتے ہوئے ادھر ادھر بکھر گئے۔ اب وہاں

خالی اندر کھڑا رہ گیا۔ جو لمبہ اور ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اس کی نظریں

جھاڑیوں پر ٹپک گئیں۔ وہ جھاڑیوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لمحے اس کی

آنکھوں میں چمک سی لہر اگئی۔ شاید اس نے ان دونوں کا سراخ دیکھ لیا تھا۔ آفسر

نے بڑی بھرتی سے ہولسٹر سے ریوا لور نکالا اور پھر بڑی احتیاط سے جھاڑیوں
ہٹا کر اندر جھانکنے لگا۔

خالد اور ظفر دونوں غار کی دیوار سے نکلے خاموش سر پیٹھے تھے۔ ان
دونوں نے اپنی سانسیں بھی روک لی تھیں۔ خالد تو خیر خود ہی سانس روکے
کھڑا تھا مگر ظفر کی تو خوف کے مارے سانس رک گئی تھی۔

پھر جیسے ہی آفسر نے انہیں دیکھنے کے لئے آگے قدم بڑھایا۔ خالد نے
برق کی سی تیزی سے اپنی جگہ سے حرکت کی اور دوسرے لمحے وہ آفسر ایک
جھٹکے سے غار کے اندر آگرا۔ خالد نے اچانک اس کو بازو سے پکڑ کر اندر گھسٹ
لیا تھا۔

آفسر منہ کے بل غار کے فرش پر گرا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت
کرتا یا اس کے منہ سے چیخ نکلتی خالد اس پر سوار تھا۔ مگر وہ آفسر بھی غصا
جاندہ واقع ہوا تھا۔

دوسرے لمحے وہ پوری قوت سے اپنی جگہ سے تڑپا اور خالد اس کے
اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف جاگرا۔ مگر ظفر نے یہاں کام دکھایا۔ کیونکہ وہ
نے قریب پڑا ہوا ایک بڑا سا پتھر بکلی کی سی تیزی سے اٹھا کر پوری قوت سے
آفسر کے سر پر مارا اور آفسر ”اوخ“ کی آواز نکالتا ہوا دوبارہ فرش پر ڈھیر
ہو گیا۔ خالد نے بھی تیزی سے اٹھ کر اسے دوبارہ دبوچ لیا۔ خالد نے اس کا
گردن و باقی شروع کر دی اور چند ہی لمحوں بعد وہ آفسر بے حس و حرکت ہو گیا
”ارے کہیں مرنے نہیں گیا۔“

ظفر نے دُرتے دُرتے خالد سے پوچھا۔

”اسے رونا ہی چاہیے ورنہ ہم مر جاتے۔“

خالد نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا

”اے اس وقت ظفر کو خالد کی آنکھوں میں ایسی جھلک لہراتی ہوئی نظر آئی کہ اس کے اپنے جسم میں سردی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ خالد اس وقت ورنہ بنا ہوا تھا۔“

خالد نے تیزی سے آفیسر کے کپڑے اتارے اور پھر اپنے کپڑے اتار کر آفیسر کے کپڑے پہن لے۔ اور اس مردہ آفیسر کو اپنے کپڑے پہنا دیئے۔ آفیسر کی پٹی کپ اس نے آنکھوں تک جھکالی اور اس کا ریو اور جو فرش پر پڑا اٹھا لیا۔

”ظفر ایسا کہو بیچارہ تھا کہ اس کا چہرہ کھل ڈالو تاکہ اسے فوراً مر ڈھنست گیا جاسکے۔ میں یا ہرنگی کسی سپاہی کو بلاتا ہوں۔ اور پھر اس سپاہی کے کپڑے تم پہن لینا۔ اس طرح ہم یہاں سے نکلی جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“ خالد نے ظفر کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

”مجھ سے یہ کام نہیں ہوتا۔ مجھے تو مردوں سے خوف آتا ہے اور پھر اسلام لاش کی بے حرمتی کی اجازت نہیں دیتا۔“

ظفر نے حسبِ عادت لیت و دلت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”جو میں کہہ رہا ہوں وہیے سنو۔ ورنہ ہمیں گولی مار دوں گا۔“

خالد نے ریو اور کا رخ ظفر کی طرف کرتے ہوئے انتہائی کڑختہ جیسے میں

کہا۔

”کال ہے۔ یہ دردی پہن کر تم بھی افسر بن گئے ہو۔“

ظفر نے بڑبڑاتے ہوئے جواب دیا

”اور خود جھک کر قریب پڑا پتھر اٹھانے لگا۔ کیونکہ خالد کے پیچھے سے وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔“

خالد اس کی طرف سے مطمئن ہو کر تیزی سے غار سے باہر آگیا۔ ابھی اسے باہر آتے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ ایک سپاہی تیزی سے اس کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ سپاہی اس کے قریب آکر رک گیا۔ خالد نے کپ اور نیچے جھکا لی۔ اس کا رخ اب سپاہی کی طرف نہیں تھا۔ وہ ایسے شوکر رہا تھا جیسے بغور غار کو دیکھ رہا ہو۔

”سر سید کو اس سے کال آئی ہے۔ آپ فوراً وہاں پہنچیں۔“

سپاہی نے قریب آکر باقی مدد سلیوٹ مارتے ہوئے کہا۔

”اچھا چلتا ہوں۔ اب کہہ دو اس غار میں کس جاؤ۔ میرا خیال ہے مجھوں

نے یہ غار استعمال کیا ہے۔ شاید ان کا کوئی سراغ مل جائے۔“

خالد نے سہمی آفیسر کا ہجرتہ ہوتے ہوئے کہا۔ اور سپاہی بغیر سوچے کچھ جھانپا

بٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ خالد بھی اس کے پیچھے گیا۔ اور پھر اس کے ریو اور کی

ایک ہی ضرب نے سپاہی کو بھی ڈھیر کر دیا۔ اور پھر خالد نے سپاہی کے

ساتھ بھی درمی یا جو وہ پہلے آفیسر کے ساتھ کر چکا تھا۔

”ظفر تم اس کا لباس پہن لو۔ جلد ہی کرو۔“

خالد نے ظفر سے کہا۔

اور ظفر نے تیزی سے لباس بدلنا شروع کر دیا۔ پھر خالد نے خود ایک بڑا پتھر اٹھا کر مردہ سپاہی کا چہرہ مسخ کر دیا۔

”چو باہر نکلو“

خالد نے ظفر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

اور ظفر جو اس تمام کاروائی سے ذہنی طور پر زوہل ہو چکا تھا خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔

اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے اس طرف بڑھے جدھر سے خالد نے اس سپاہی کو آتے دیکھا تھا۔

تھوڑی ہی دور جانے کے بعد انہیں ایک درخت کے نیچے جیب کھری نظر آئی۔ جیسے ہی وہ جیب کے قریب پہنچے جیب کے ڈرائیور نے باہر نکل کر انہیں سلیوٹ کیا اور پھر جیب کا دروازہ کھول دیا۔ خالد نے ظفر کو آٹھ مارے اور جیب میں سدا ہو گیا۔ اس نے منہ پر یوں دمال رکھا تھا جیسے اسے شدید تڑپ ہو گیا ہو۔

ڈرائیور نے اس کی طرف توجہ کے بغیر گاڑی چلا دی اور پھر پولیس فلیگ لہراتی ہوئی جیب تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی

خالد اور ظفر نے دیکھا کہ ہر طرف پولیس ہی پولیس بکھری ہوئی ہے ان کی تلاش بڑے ہیانہ پر ہو رہی تھی۔ پولیس فلیگ کی وجہ سے ان کی جیب کو کہیں بھی نہیں روکا گیا اور جیب اب مین روڈ پر آگئی تھی۔ خالد سوجھ بوجھ

کو موقع ملے ہی ڈرائیور کو متم کر کے جیب پر قبضہ کر لیا جائے۔ وہ نہ بیدار رہے میں پہنچنے کے بعد وہ بے بس ہو جائیں گے۔ لیکن مین روڈ پر دوسری ٹریفک کے علاوہ پولیس کی بے شمار گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔ اور ہر کار اور بس کو روک روک کر چیک کیا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے جیب پر قبضہ کرنے کا یہ کوئی موقع نہیں تھا۔ وہ دوسرے ہی لمحے گرفت میں آجائے۔ اس لئے وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔

پھر ایک موٹر تھرتے ہی اچانک جیب ایک کافی بڑی عمارت کے گیٹ میں داخل ہو گئی

گیٹ پر ایک بہت بڑا پولیس فلیگ لہرا رہا تھا۔ ظاہر ہے یہ پولیس بیدار تھا اور وہ دونوں موقع تلاش کرتے ہی رہ گئے۔ اور جیب ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو گئی تھی۔

اب وہ دونوں بے بس ہو چکے تھے۔ وہ خود حنفیہ چوہے کی طرح چوہے کی پی آ پھنسے تھے۔

جیب پارک میں جا کر رک گئی اور ڈرائیور تیزی سے اتر کر خالد کی طرف کا دروازہ کھولنے کے لئے ان کی طرف بڑھا۔ مگر خالد خود ہی دروازہ کھول کر باہر آگیا اور اس کے بعد ظفر بھی۔

یہ اچھا تھا کہ پوچھ اور پوچھ سے اس کو کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ دونوں ڈرائیور کو پہچاننے کا کوئی موقع دیتے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بلڈے میں چلنے لگے۔ جیسے ہی وہ ایک دروازے کے قریب پہنچے جس پر آفیسران سپیشل فورس

کی پیٹ لگی ہوئی تھی۔ انہیں برآمدے کے دوسرے کونے سے ایک پولیس آفیسر
آتا نظر آیا۔

اور خالد بغیر سوچے سمجھے دروازہ کو دھکیلتا ہوا اندر گھس گیا۔ ظفر نے بھی
ظاہر ہے اس کی پیروی کرنی تھی۔ خالد نے اندر داخل ہوتے ہی تیزی سے
ریوالور نکال لیا۔ لگ بھگ خالی تھا۔ اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پاتے تھے کہ
دروازے پر دھچک ہوئی

اور وہ دونوں چوبیس بج پڑے
دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔

”مشر! آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟“

ایک پولیس آفیسر نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

”اپنے اخبار کے لئے خبر؟“

لبے تڑنگے نکلنے نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ اچھا اچھا ضرورت تلاش کیجئے، شاید آپ کامیاب ہو جائیں۔ یہی تو

اب تک ناکامی ہی ہوئی ہے۔“

پولیس آفیسر نے خوش مزاجی سے جواب دیا۔

”مگر آپ نے تو ساتھ کھڑی کتے بھی لے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود مجرموں

کا کوئی پتہ نہیں چلا۔“

نکسن نے سوال کیا۔

”اسی بات پر تو حیرت ہے کہ وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ یہ تو طے ہے کہ سہیلی کا سپر سے انہوں نے جھیل میں پھلانگ لگائی تھی۔ کیونکہ جھیل کے دائیں کنارے پر ایسے نشانات ملے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو آدمی جھیل سے باہر نکلے ہیں۔“

پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

”تو کیا وہ بگ بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔“

نکسن نے لا پر دایانہ انداز میں سوال کیا۔ جیسے وہ کوئی بات کو کوئی خاص اہمیت نہ دے رہا ہو۔

”جھیل کے کنارے ملنے والے نشانات سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں خالی ہاتھ تھے۔ کیونکہ اگر ان کے ساتھ بگیا ہوتے تو یقیناً ان کے ٹپکنے والے پانی کے نشانات کم از کم کنارے پر صر مل جاتے۔“

پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

”اوہ یہ حیرت انگیز ہے جن بگیز کے لئے مجرموں نے اتنی محنت کی وہ کہاں غائب ہو سکتے ہیں جب کہ سہیلی کا سپر سے بھی نہیں ملے۔“

نکسن نے اب ڈسپی لیتے ہوئے کہا۔

”سٹر نکسن آپ تلاش کے کام کی بجائے مجھ سے انٹرویو لینے لگے۔“

پولیس آفیسر نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے جواب دیا

اور پھر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

نکسن دھیرے سے مکرایا اور پھر وہ تیزی سے جھیل کی طرف بڑھ گیا۔

جھیل پر پہنچنے کے بعد اس نے خود وہ نشانات دیکھے۔ پانی کی دو کیریں سی آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں وہ کیریں گئی تھیں۔ مگر کچھ دور جا کر اسے مایوسی ہوئی کیونکہ آگے جا کر پانی خشک ہو چکا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ جھیل سے نکلے ہی ان کے کپڑوں سے خاصی مقدار میں پانی نیچے ٹپکا تھا۔ مگر جوں جوں وہ آگے بڑھتے رہے پانی کی مقدار کم ہوتی رہی اور کم پانی جلدی خشک ہو گیا۔

بہر حال نکسن اندازے سے آگے بڑھتا رہا اور پھر وہ پہاڑی کے دامن

میں پہنچ گیا۔ مچانک اسے دور جھاڑیوں میں کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی اور وہ چونک پڑا۔

وہ بے تحاشا بھاگتا ہوا ان جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔ یہ پینل کا ایک چھوٹا سا بٹن تھا جو شاید کسی سہابی کی وردی سے ٹوٹ کر گرلا تھا۔

نکسن نے فوراً دھڑا دھڑا دیکھا اور پھر اسے غار کے دہانے کا پتہ چلی گیا۔ نکسن چند لمحے خاموشی سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا لیکن غار کے اندر خاموشی تھی۔ نکسن نے احتیاط سے جھاڑیاں ہٹائیں اور پھر غار کے اندر داخل ہو گیا۔

دوسرے لمحے وہ چونک پڑا۔ کیونکہ اسے دہان دو لاشیں پڑی ہوئی صاف نظر آ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ اس نے جیب سے پنسل خارج نکالی اور لاشوں کا معائنہ شروع کر دیا۔

لاشوں کے چہرے مسخ تھے۔ اس نے پھرتی سے ان کے لباس کی تلاشی لی مگر کچھ بھی نہ نکلا۔ اس نے بیگز کی تلاش کے لئے ادھر ادھر مارچ کی روشنی ڈالی مگر بیگز کا وہاں نام و نشان بھی نہیں تھا۔

اچانک نکسن کو کوئی خیال آیا اور وہ اس خیال کے آتے ہی بری طرح چونک پڑا۔ اس نے جھپٹ کر ان لاشوں کی قمیضوں کے گریبان کھول کر دیکھے اور دوسرے لمحے اس کے ہونٹوں سے ایک طویل سیٹی کی آواز نکل گئی۔

”ہو نہ تو یہ بات ہے۔“

وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

دوسرے لمحے اس نے مارچ جیب میں ڈالی اور غار سے باہر نکل آیا۔ اس کے پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ نکسن ایک بڑی سے بھاری کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔

اس نے اپنا سگریٹ کیس کھولا اور اس میں موجود سگریٹوں میں سے ایک سگریٹ کو دبا دیا۔

”سیلو سیل انچائیج پرائنٹ سکس سپیکٹنگ اور۔“

اس نے تیر لہجے میں کہا۔

چند فٹوں کی خاموشی کے بعد دوسری طرف سے ایک آواز ابھری۔

”یس ماتھر سپیکٹنگ دس اینڈ اور۔“

”باس میں اس وقت جھیل کی قریبی پہاڑی میں موجود ہوں۔ پولیس ان دونوں غیر ملکیوں کو بڑے پیمانہ پر تلاش کر رہی ہے۔ میں نے ایک غار میں دو لاشیں

دستیاں کی ہیں۔ یہ پولیس کے آدمیوں کی ہیں۔ وہ دونوں شاید ان دونوں کو ختم کر کے ان کا لباس پہن کر نکل گئے ہیں اور۔“

نکسن نے تفصیل سے جواب دیا۔

”اور کیا ابھی پولیس کو ان لاشوں کا پتہ نہیں چلا اور۔“

دوسری طرف سے ماتھر کی تعجب آمیز آواز سنائی دی۔

”بہنیں جناب۔ اور۔“

نکسن نے جواب دیا۔

”تم ان پولیس والوں کو جانتے ہو۔ اور۔“

ماتھر نے سوال کیا

”میں پہچان تو ضرور لیتا۔ مگر ان دونوں کے چہرے مسخ کر دیئے گئے ہیں اور۔“

نکسن نے جواب دیا۔

”اور تو اس کا مطلب ہے وہ دونوں غیر ملکی غیر معمولی طور پر ذہین ہیں اور نہ انہیں فوری طور پر پکڑ لیا جاسکتا۔ اور۔“

ماتھر نے جواب دیا۔

”اب میرے لئے کیا حکم ہے جناب اور۔“

نکسن نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”تم پولیس کو ان لاشوں کی نشان دہی کر دو۔ میں پولیس بیڈ کو اسٹارٹ کر گھیرنے کا پروگرام بناتا ہوں۔ بیگز ضرور ان کے پاس ہوں گے۔ جب پولیس ان

دو دنوں کو گرفتار کر لے گی تو ہم حملہ کر کے بیگز ان سے چھین لیں گے۔ اور۔“
ماحق نے پروگرام بتلایا۔

”پولیس سے پہلے ہی ان پر کیوں نہ ہاتھ ڈال دیا جائے۔ اور۔“

نکسن نے کہا۔

”تمہاری عقل شاید گھاس چرنے گئی ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ اس وقت وہ درجن کہاں ہیں اور پھر کس روپ میں ہیں۔ پولیس تو فوراً معلوم کر لے گی کہ ان کے کون سے دو آدمی غائب ہیں۔ اس طرح وہ فوراً گرفتار ہو جائیں گے اور ظاہر ہے۔ انہیں گرفتار کر کے ہیڈ کوارٹر ہی لایا جائے گا۔ ہم وہاں سے بیگز حاصل کر سکتے ہیں۔ اور۔“

ماحق نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”مگر پولیس ہیڈ کوارٹر پر حملہ انتہائی خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے

اور۔“

نکسن نے دُرتے دُرتے اپنی رائے دی۔

”اس کا فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں۔ تم اپنی حدود سے تجاوز نہ

کرو۔ اور رائیڈ آلی۔“

ماحق نے انتہائی کراخت بھجے میں کہا

اور رابطہ ختم کر دیا۔

نکسن نے طویل سانس لیتے ہوئے سگریٹ کیس بند کیا اور پھر اسے

جیب میں ڈال کر زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

”ادھر آؤ۔ ادھر آؤ۔ ادھر غار میں دو لاشیں ہیں۔“

وہ تیز تیز آواز میں چیخ رہا تھا۔

پھر۔

ادھر ادھر بکھرے ہوئے پولیس کے سپاہی تیزی سے اس کی طرف دوڑنے لگے۔

"یہ کیا ہو گیا ڈاکٹر آصف تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔"

ڈاکٹر رحمان نے سر اٹھا کر گلو گئے آواز میں کہا

اور ڈاکٹر آصف بت بنا بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا ہو۔

"کیا کہہ سکتا ہوں ڈاکٹر صاف ظاہر ہے کہ جلدی میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

ڈاکٹر آصف نے دبے ہلچے میں کہا۔

اس کے حلق سے آواز پھنس پھنس کر نکل رہی تھی۔

وہ دونوں ابھی ایک دوسرے کا غمخوار نہ رہے تھے کہ اچانک کمرے کا دروازہ آسمت سے کھلا اور پھر وہی ملازم جس نے انہیں روپہر کو پہنچ

کے لئے بلایا تھا ماتحت میں رہا اور لئے اندر داخل ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں اس کی آمد سے آگاہ ہوتے ملازم کے ماتحت میں پکڑے ہوئے سائینئر آگے رہا اور سے شرج کی آواز نکلی اور ڈاکٹر آصف منہ کے بل پٹنگ پر گر گیا۔

ڈاکٹر رحمان نے چونک کر مڑنا چاہا مگر رہا اور سے نکلی ہوئی دوسری گولی نے اسے مڑنے بھی نہیں دیا۔ گولی اس کی کپٹی پر پڑی اور وہ بھی کئی آواز نکالے بغیر ڈاکٹر آصف کے اوپر ہی ڈبیر ہو گیا۔

ملازم تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے پٹنگ کی سائیڈ پر پڑے ہوئے کاغذات جھپٹ لئے۔ بجلی کی سی تیزی سے اس نے کاغذات کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھے اور پھر وہ سرے سے وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ رہا اور وہ پہلے ہی جیب میں ڈال چکا تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر وہ برآمدے میں ہوتا ہوا مین گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

مین گیٹ پر موجود سپاہیوں کو بڑے انکسار اور انداز میں سلام کر کے وہ سفارت خانے کی سمارت سے باہر نکل آیا۔

مقتور سی سی دور فٹ پاتھ پر چلنے کے بعد اس نے ایک جگہ رک کر سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور دوسرے سے پارکنگ سے ایک سیاہ رنگ کی گاڑی نکل کر اس کے قریب آئی۔

ملازم نے تیزی سے کار کا کھلا دروازہ کھولا اور اندر اچھل کر بیٹھ گیا۔ "بیدار ہو کر اٹھو ملو۔"

ملازم اس دفعہ تھکنا نہ بھیجے میں بھلا اور ڈرائیور نے بڑے سوہا نہ انداز میں سر ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی کار ایک سات منزلہ کمرشل بلڈنگ کے سامنے جا کر رک گئی۔

گاڑی رکتے ہی وہ ملازم باہر نکلا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا میں گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ درمیانی ہال میں اوپر سے آنے اور جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ملازم بھی سیدھا ایک لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔
" فورتحہ سنو ری۔"

اس نے لفٹ ہوائے کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

اور لفٹ اوپر جانے لگی۔ اس نے کوٹ کی اندرونی جیب پر ہاتھ رکھا۔
تمہارا کیا نیکو نگار سے ان کاغذات کی اہمیت کا علم تھا۔ جیسے ہی لفٹ رکی وہ دروازہ کھول کر باہر آیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ جس کے باہر کسی سپورٹس فرم کا نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی بند تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دروازے پر تین بار مخصوص انداز میں دستک دی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھل گیا اور وہ تیزی سے اندر داخل ہوا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک بڑی میز کے پیچھے ایک گنجے سردار اور منحنی سا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

" سیلو بوائے کیا ہوا۔"

منحنی سے آدمی نے بڑے وہم و گم بھیجے میں پوچھا۔

" کامیابی باس۔"

ملازم نے مسرت سے میر پور بھیجے میں جواب دیا
اور پھر جیب سے کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیتے۔
" کیا پوزیشن رہی۔"

آدمی نے کاغذات اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔
" دونوں ڈاکٹروں کو قتل کرنا پڑا۔"
ملازم نے جواب دیا۔

" اوہ"

منحنی سے آدمی نے تکرار دہیجے میں ہنکا رہا تھا

اور پھر کاغذات کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ وہ ملازم اب ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

باس چند لمحے کاغذات کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ٹیلیفون اپنی طرف کھسکایا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیتے۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

" باس سپیکنگ فاکس فورڈ ہیڈ کوارٹر آجاء۔ کاغذات پہنچ گئے ہیں۔ تم انہیں دیکھ کر تسلی کرو۔ تاکہ انہیں چیف باس کو بھجوا یا جاسکے۔"
باس نے رابطہ قائم ہوتے ہی کسی کو تھکانا دہیجے میں کہا۔

اور پھر رسیور رکھ دیا۔

ابھی انہی دہان بیٹھے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔

باس چرنک کر لیور اٹھایا۔

"نمبر تھری سپیکنگ باس"

دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

"کوڑو!"

باس نے چبھتے ہوئے ہچے میں پوچھا۔

"اپریشن اپ گن"

دوسری طرف سے نمبر تھری نے جواب دیا۔

"او۔ کے باس سپیکنگ رپورٹ دو"

باس نے گرفت ہچے میں کہا۔

"باس وہ دونوں نمبر کی پولیس کی درمی میں فرار ہو گئے ہیں۔ مافٹر

پارٹی نے پولیس ہیڈ کوارٹر کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ کاغذات ابھی ان دونوں

کے پاس ہیں۔"

نمبر تھری نے جواب دیا۔

"کاغذات ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں نمبر تھری۔ مافٹر پارٹی احمق ہے۔"

باس نے سپاٹ ہچے میں کہا۔

"اوہ یہ کیسے تھا باس"

نمبر تھری کی تعجب سے بھرپور آواز سنائی دی۔

"یہ دقت تفصیل کا نہیں ہے تم دیے مافٹر پارٹی کی نقل و حرکت کا خیال

رکھو۔"

باس نے جواب دیا

اور لیور رکھ دیا۔

"مافٹر پارٹی ابھی تک ان دونوں کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ہماری ترکیب

کا میا ب رہی۔ مجھے پتہ ہی امید تھی کہ ایرپورٹ کے حملے کے بعد دونوں

ڈاکٹر ایسی حالت نہیں کریں گے کہ کھلے عام کاغذات بیگ میں رکھ کر

لے جائیں۔"

باس نے ملازم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ایس باس۔ دیسے خلافت تو قریب ہیں کامیابی ہوئی ہے۔ اس دن اتفاق

سے میں انہیں پہنچ کی اطلاع دینے گیا تو مجھے اصل حقیقت کا علم ہو گیا۔"

ملازم نے بڑے سوتیلانہ ہچے میں کہا۔

اسی وقت دروازے پر مخصوص انداز میں دستک ہوئی اور باس نے

میز پر لگا ہوا ایک مٹن دبا دیا

دروازہ کھلا اور ایک موٹا سا آدمی جس کی فراخ پیشانی اس کی ذہانت ظاہر

کر رہی تھی اندر داخل ہوا۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔

"دیکھو ڈاکٹر یہ کاغذات ہیں۔"

باس نے کاغذات ڈاکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اور ڈاکٹر نے کرسی پر بیٹھ کر کاغذات سمجھنے لگے اور پھر انہیں بغور پڑھنے

لگا۔ جیسے جیسے وہ کاغذات پڑھتا جاتا۔ اس کا چہرہ متغیر ہوتا چلا گیا اور

پھر اس نے کاغذات میز پر پھینک دیئے۔

"یہ آپ گن کا ٹھکانہ نہیں ہے باس"

ڈاکٹر نے انکشاف کیا

اے باس یوں اچھل پڑا جیسے اس کی کرسی میں گھونٹ اگیا ہو۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ آپ گن کا ٹھکانہ نہیں تو اور کیا ہے"

باس نے عجیب آمیزہ لہجے میں سوال کیا۔

"باس ہمارے پاکیشیا کے ایجنٹ نے جو رپورٹ دی ہے اس کے مطابق جو ٹھکانہ پاکیشیا کے ڈاکٹر لے کر آ رہے تھے وہ ایک نئی قوت کے انکشاف کا ہے۔ کوشش عقل کے بالکل برعکس یہ قوت چیزوں کو اپنی طرف کھینچنے کی بجائے انہیں پوری قوت سے دھکیل دیتی ہے۔ یہ ایک نظمی نیا انکشاف تھا اور دونوں ڈاکٹرز نے اسے آپ گن کا کوڈ نام دیا تھا۔ میرے خیال میں وہ اس ٹھکانے کے تحت ایسی

گمن بننے پر کام کر رہے تھے جس سے نکلنے والی شعاعیں پہاڑ تک کو بھی اپنی جگہ سے الٹا کر ہزاروں میل دور پھینک دیتیں۔ آپ خود تصور کر سکتے ہیں کہ یہ کتنا خطرناک انکشاف تھا۔ دشمن ملک کے سپہ سالار بھی اسے غلات استعمال کئے جا سکتے تھے۔ شمال کے طور پر دشمن ملک کا راکٹ انٹیم بم پھینکے آتا ہے۔ مگر یہ گمن اسے دھکیل کر دور پھینک دیتی ہے۔ مزید ریسرچ کی بنا پر ان شعاعوں کی قوت کم یا زیادہ کی جا سکتی تھی۔ اس طرح اسی بم کو پھینکنے والے ملک پر بھی پھینکا جا سکتا ہے۔ ہمارا تجربانہ دونوں ڈاکٹرز کی پیادہ رسی میں کام کرتا ہے

اس لئے اس کی رپورٹ غلط نہیں ہو سکتی۔"

ڈاکٹر نے باس کو آپ گن کے متعلق تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

"اور یہ فارمولا کیا ہے۔"

باس نے ہنسنے ہوئے لہجے میں سوال کیا

"یہ فارمولا۔ یہ فارمولا تو کوئی فارمولا ہی نہیں ہے۔ اس میں سائنس کی ابتدائی

معلومات ایذا بیٹا کے متعلق ایک مختصر مضمون ہے۔"

ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"ویری بیڈ۔ اس کا مطلب ہے میں دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ کاغذات

جعلی ہیں۔"

باس نے بھراتے ہوئے لہجے میں کہا

"اور قریب بیٹھے ہوئے ملازم کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

"مگر ڈاکٹر تو خود کہہ رہا تھا کہ اس نے جعلی کاغذات بیگ میں رکھے تھے اور

اصلی اپنی جیب میں۔"

ملازم نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر نے کیا کہا تھا اس کے متعلق تم بہتر جانتے ہو۔ بہر حال تم غلط کاغذات

لے آئے ہو۔ اس کی سزا تمہیں بھگتنا پڑے گی۔"

باس نے استہزاء لہجے میں کہا۔

"اور دوسرے ملے اس کا کاتہ تیزی سے اوپر اٹھا اور ہاتھ میں پکڑے

ہوئے ریو اور سے گولی نکلی۔ ملازم ایک چیخ مار کر دیوار سے جا لگا۔ اور پھر

فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔

گولی اس کے سینے میں گئی تھی۔

باس نے اس کی طرف دیکھنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ اور تیزی سے
ریسیور اٹھا کر ٹیلیفون نے نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیتے۔

والٹر قلم ہوتے ہی وہ تیز لہجے میں بولا۔
"باس سپیکنگ"

"نمبر تقری سپیکنگ باس"

دوسری طرف سے نمبر تقری کی آواز سنائی دی۔

"ماحقہ پارٹی کیا کر رہی ہے نمبر تقری"

باس نے کراخت لہجے میں پوچھا۔

"انہوں نے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دیا ہے باس۔ اس وقت بھی فائرنگ

ہو رہی ہے"

نمبر تقری نے جواب دیا۔

"نمبر تقری ہم سے دعوہ کر رہا ہے۔ وہ کاغذات جو ہمارے پاس پہنچے تھے

وہ جعلی تھے۔ اس لئے تم نے ماحقہ پارٹی سے اصل کاغذات چھینے ہیں"

باس نے ٹھکانہ لہجے میں کہا۔

"اوه باس پھر تو ہمیں فوراً حرکت میں آنا چاہیئے۔ کہیں ماحقہ پارٹی

کاغذات لے کر نکل نہ جائے"

نمبر تقری نے انتہائی جوشیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں اسکی لئے میں نے فن کیا ہے۔ جلدی کروہیں ہر منیت پر کامیاب

ہونا ہے"

باس نے کہا

اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

ڈاکٹر خاموشی سے باس کو دیکھ رہا تھا اور فرسٹ پر پڑا تھا ملامت اب

ساکت ہو چکا تھا۔

"تم جاسکتے ہو ڈاکٹر"

باس نے ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر کہا

اور ڈاکٹر موہا نہ انداز میں سر ہٹا کر کھڑا ہو گیا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر دونوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ پھر وہی پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔
مگر دوسرے لمحے وہ ہنسنے لگا کہ کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ خالد کا ریا اور اس کی طرف اٹھا ہوا تھا۔
"خبردار اگر حرکت کی۔ ظفر دروازہ بند کر دو۔"

ظفر نے بیک وقت پولیس افسر اور ظفر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔
اور ظفر نے تیزی سے آگے بڑھ کر سائیڈ میں مڑ کر دروازہ بند کرنا چاہا
مگر وہ پولیس افسر جو اس اچانک اسباب شگ سے اب تبدیل چکا تھا
چھتری سے اپنی جگہ سے مڑا اور دوسرے لمحے ظفر کو طرح گھومتا ہوا اس کے

سامنے آگیا۔ پولیس آفیسر کا ایک ہاند ظفر کی گردن میں اور دوسرا اس کی کمر میں تھا۔ اب خالد بے بس ہو چکا تھا کیونکہ اگر وہ گول چلا تو ظفر ہر بے گول ظفر کے سینے میں لگتی۔ پولیس آفیسر نے اب دروازے کی طرف کھٹکنا شروع کر دیا وہ شاید اسی پوزیشن میں کمر سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ ظفر نے جان چڑانے کے لئے بہتر سے مانتے پلٹنے لگا۔ مگر پولیس آفیسر کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔ خالد اب سچ ہی رہتا تھا کہ اگر وہ ادر کیا نہیں کہ اچانک ظفر کا داند چل گیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے انتہائی حاضر دماغی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے پولیس آفیسر کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے اپنی ٹانگ نکال کر دروازے سے لگاتی اور پھر ایک زوردار جھکاوے دیا۔ ٹانگ دروازے کے ساتھ لگی ہوئے کی وجہ سے ایک زوردار جھکے سے وہ دونوں منہ کے بل آگے آگے۔ ظفر نیچے اور پولیس آفیسر اس کے اوپر تھا۔ اور اسی لمحے خالد نے ایک لمحہ خاک کے بغیر پوری قوت سے ریا اور کا دست پولیس آفیسر کی کھوپڑی کی پشت پر مار دیا اور ایک ہی ضرب اس کے لئے کافی تھی۔ اس کی گرفت ظفر پر ڈھیل پڑ گئی اور اس نے بے اختیار دھڑلہ مارنے شروع کر دیئے۔ شاید وہ ذہن پر چھانے والی تارکی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ظفر نے اسے اپنے پر سے دھکیل دیا اور خود اٹھ کھڑا ہوا۔ پولیس آفیسر چند لمحے ہاتھ پیر مارنے کے بعد ساکت ہو گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

"اب کیا کریں۔ بھانے اور کون آجائے۔"

ظفر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ہیں خود اٹھ کر اترے باہر نکلتا چاہیے۔"

خالد نے کہا

اور پھر دروازہ کھول کر باہر جھانکے لگا۔ بیڈ کوارٹریں کافی لوگ آ جا رہے تھے۔

”جو منہ پر مال رکھ لو اور تیزی سے باہر نکل چلو۔ رکنے کی ضرورت نہیں۔ اس بھیڑ میں ہم نکل سکتے ہیں۔“

خالد نے ظفر سے کہا۔

اور ریو اور جیب میں ڈال کر خود باہر نکل آیا۔ ظفر بھی اس کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں تیز تر قدم اٹھاتے ہوئے مین گیٹ کی طرف بڑھے۔

ابھی وہ دونوں پورچ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک جیب تیزی سے مین گیٹ میں داخل ہوئی۔ اد خالد اور ظفر اس کے بائیں قریب تھے۔

”بگ بل گئے صاحب“

ڈرائیور نے ہنسنے لگا۔ پھر پورے بھر پور بھیجے میں کہا۔ مگر دوسرے لمحے وہ چونک پڑا۔ کیونکہ بگ بل کی غیر متوقع خبر سے ان دونوں کی احتیاطی تدابیر ختم ہو گئیں اور وہ منہ سے درمال ہٹا کر بیکر کو دیکھنے لگے۔

”تم کون کچھ۔ مجرم مجرم۔“

ڈرائیور نے تیزی سے چمکا۔ کیونکہ وہ انہیں پہچان چکا تھا اور اس کی اس آواز نے بیڈ کوارٹریں ہل چلا دی۔

خالد نے سب سے پہلے حرکت کی اور دوسرے لمحے اس نے تیزی سے ڈرائیور کے ہاتھ سے بگ چھینے اور جیب میں چھلانگ لگا دی۔

اور اُدھر موجود لوگ جیب کی طرف بھاگے۔

”رک جاؤ رک جاؤ دروازہ گولی مار دیں گے۔“

مختلف آوازوں سے بیڈ کوارٹریں کا کپاؤ نڈگوشا اٹھا۔

مگر خالد نے جیب چلا دی۔ ظفر نے بھی چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے وہ بھی جیب کی سائیڈ کارڈ پکڑ کر اس سے ٹک گیا اور پھرتی سے اندر داخل ہو گیا۔

خالد نے اندھا دھند ڈھنگ کرتے ہوئے جیب کو دوسرے گیٹ کی طرف لے چلا۔ دوسرے گیٹ کے پاس بیروں نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے گیٹ پھرتی سے بند کر دیا۔ بائیں طرف سے خالد بھٹس گیا تھا۔ مگر اسی لمحے اچانک بیڈ کوارٹریں چاروں طرف سے مشین گنز کے فائر شروع ہو گئے اور پھر دس بارہ آدمی ہاتھوں میں مشین گنز پکڑے بیڈ کوارٹریں چھت سے نیچے کپاؤ بند میں کود پڑے۔ پولیس اور حفاظتی پاسیوں نے بھی آڑے لی اور خالد کو موقع مل گیا۔ اس نے جیب تیزی سے گیٹ کے قریب روکی اور کوڈر پیچھے اتر گیا۔ اس اس کا اداہ گیٹ کھولنے کا تھا۔ کیونکہ گیٹ کے قریب موجود پاسیوں نے وہاں سے مہٹ کر مختلف جگہوں پر آڑے چلے تھے۔

گولیاں بے تحاشہ برس رہی تھیں۔ خالد نے تیزی سے گیٹ کھولا اور پھر جیسے ہی سڑا ظفر جو جیب کی پچھلی سیٹ پر موجود تھا وہ کوڈر ڈرائیورنگ سیٹ پر آیا اور اس نے جیب بھگا دی۔ جیب گیٹ سے نکلنے والی باہر نکل گئی اور خالد کو کوڈر اس پر چڑھنا پڑا۔

مگر جیسے ہی جیب گیت سے باہر نکلی اچانک ایک ٹرک آڑے نکلا اور پوری قوت سے جیب سے ٹکرا گیا۔ زوردار دھماکہ ٹپا اور جیب تلا بازیاں کھاتی ہوئی سڑک کی قریبی دیوار سے جا ٹکرائی۔

ظفر اور خالد بھی جیب سے نکل کر سڑک پر جا گرے اور بیگ بھی جو جیب سے نکل کر سڑک پر جا گرے تھے۔

اچانک سائیڈ سے ایک آدمی چھٹا اور اس نے دونوں بیگ اٹھائے اور پھر قریبی گلی کی طرف دوڑ نکلا دیا۔

مگر دوسرے ٹکڑے گولی چلی اور وہ آدمی گلی کے سرے پر ہی الٹ کر گر گیا۔ بگینہ اس کے ہاتھ سے نیچے گئے تھے۔

ہیڈ کوارٹر میں ابھی تک فائرنگ چورہی تھی۔

خالد اور ظفر سڑک پر گر کر چند لمحے تک بے حس و حرکت پڑے رہے۔ پھر جیسے ہی ان کے اعصاب درست ہوئے وہ دونوں تیزی سے اٹھ کر اس گلی کی طرف بھاگے جو وہ وہ آدمی پڑا ہوا تھا۔ گلی ان سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچی تو گولیاں ان پر بھی چلیں مگر کوئی گولی نشانے پر نہ لگی کیونکہ چوٹوں کی وجہ سے وہ دونوں زبک زبک انداز میں بھاگ رہے تھے۔

خالد نے دونوں بیگ چھپے اور گلی میں دوڑنا چلا گیا۔ ظفر بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہ گلی بالکل چھوٹی سی تھی۔ دوسری طرف ایک اور سڑک تھی۔

جیسے ہی وہ گلی کے دوسرے سرے پر پہنچے اچانک تین چار آدمیوں نے سائیڈ سے نکل کر انہیں پکڑ لیا۔ اور دوسرے لمحے وہ بگینہ سمیت ایک بڑی کار

میں دھکیل دیئے گئے۔ اور کار کا ان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھ گئی۔ کار کی نشستوں کے کاندھ پر وہ دونوں آئے کے پوروں کی طرح ایک دوسرے پر پڑے ہوئے تھے اور انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے اعصاب جواب دیتے جا رہے ہیں۔ شاید اب تک گزرے ہوئے واقعات کا زبردست اعصابی دباؤ تھا جو اب دوبارہ عمل آ رہا تھا۔ اور ابھی اس دباؤ کا مقابلہ ہی کر رہے تھے کہ اچانک ان دونوں کے سروں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شاید کاریں موجود دوسرے آدمیوں نے ان کے سروں پر ریوالتور کے دستے مار دیئے تھے۔ اور ان دونوں کے دماغوں پر گہری دھند چھاتی چلی گئی اور اب وہ ہر چیز سے بے نیاز کاریں بے ہوش پڑے تھے۔ اور دونوں بیگ ان سے چھین کر کاریں موجود آدمیوں کے ہاتھوں میں چاٹے تھے۔

سفیر کا سرخ و سپید چہرہ پسینے سے تر تھا۔ دونوں ڈاکٹروں کے یوں بیہمانہ
قتل نے جہاں پورے سفارت خانے کو ہلا دیا تھا وہاں پاکیشیا میں بھی ایک زلزلہ
سا آگیا تھا۔ مکی اخبارات نے اس خبر کو شدہ سرخیوں میں چھاپا تھا۔ اور پورے
ملک میں یہ خبر انتہائی رنج و غم سے سنا گئی تھی۔ دونوں ڈاکٹر ز پاکیشیا کی
ناک تھے۔ پوری دنیا میں ان کی ذمہ داری کے ڈٹے بکتے تھے اور وہ دونوں پاکیشیا
کے لئے سرمایہ افتخار تھے۔ ان دونوں کے قتل کے بعد فارمولے کی اہمیت اور
زیادہ بڑھ گئی تھی۔

اس وقت بھی سفیر شلیفون پر صدر مملکت سے بات کر رہے تھے۔
"مشریفہ یہ فارمولہ اہمیت پر واپس ملنا چاہیے۔"

صدر مملکت کا لہجہ گرجا دار تھا۔
جناب پولیس اور انٹیلیجنس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے۔ "سفیر رضاعلی نے
موتہ بانہ بچے میں جواب دیا۔

"میں کسی کوشش کو نہیں جانتا۔ تجھے وہ فارمولہ واپس چاہیے اور میں آپ کی
کارکردگی سے بھی سخت ناخوش ہوں۔ آپ کو پیسے مطلق کر دیا گیا تھا کہ فارمولہ
اور ڈاکٹروں کی زندگی بے حد اہم ہے۔ ان کی سرپرستی پر حفاظت کی جائے۔
مگر آپ کچھ بھی نہ کر سکے اور ملک ایک عظیم حادثے سے دو چار ہو گیا۔" صدر
مملکت کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

"جناب سرپرست کے حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے، مگر مجرم اپنا کام کر گزرے
اور فارمولہ جانے کے بعد میرے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ مجرم دونوں ڈاکٹر کو یوں
قتل کر دیں گے۔"
سفیر نے جواب دیا۔

"آپ احمق ہیں مسٹر رضا۔ آپ جانتے ہیں جو مجرم فارمولہ لے اڑے وہ ان
دونوں سائنسدانوں کو کہاں زندہ چھوڑتے تھے۔ وہ یہ کیسے برداشت کر لیتے کہ
وہ نرل سائنسدان واپس جا کر پھر اس فارمولے پر کام کر سکیں۔ آپ کو اتنی چھپرٹی سی
بات تو سمجھ لینا چاہیے تھی۔" صدر مملکت کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"جناب جو دونوں کے فارمولہ لے گئے ہیں وہ پاکیشیا کے ہیں اور چند دن پہلے
سیاحت کے لئے آئے تھے۔ میں ان دونوں کے متعلق رپورٹ بھیج چکا ہوں۔"
سفیر نے موضوع کو دانستہ طور پر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

"ٹان مجھے رپورٹ ملی چکی ہے، مگر ہماری تحقیقات کے بعد وہ دونوں انتہائی شریف اور معزز گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے پہلے ان کے پورے خاندان سے کوئی فرد بھی کسی قسم کے جرم کا مرتکب نہ ہوا۔ میرا خیال ہے وہ ان کی پولیس غلط لائن پر تفتیش کر رہی ہے۔ اصل مجرم کوئی اور ہیں اور پھر یہ کام صرف دو اجنبی لڑکے نہیں کر سکتے۔ یہ کسی منظم گروہ کا کام ہے۔"

صدر مملکت نے اپنی رائے پیش کی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے جناب مگر پولیس کو اسبند آسبند جو ثبوت ملی رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں پوری طرح اس میں ملوث ہیں۔"

سفیر نے جواب دیا۔

"میں نے ابھی صدر انٹرنیٹ پائل سے بات کی ہے انہوں نے بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد از جلد فارمولا دستیاب کرنے کی کوشش کریں گے۔ بہر حال آپ روزانہ مجھے رپورٹ دیں!"

صدر مملکت نے کہا۔

"بہتر خیاب"

سفیر نے جواب دیا

اور پھر دوسری طرف سے رابطہ ختم ہونے پر انہوں نے بھی ریسپورڈ رکھ دیا اور چہرے پر آیا ہوا پسینہ رومال سے خشک کرتے ہوئے انہیں کھڑے ہوتے سفارت خانے کے اندریں دونوں سائنڈ لائن کے قس نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا اور ایک ملازم کی گمشدگی سے صاف ظاہر تھا کہ یہ حرکت اس ملازم

کی ہے اور چونکہ وہ ملازم کافی عرصے سے سفارت خانے میں کام کر رہا تھا اس لئے ان کے سفارت خانے پر بھی الزام آیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بے حد پریشان تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے۔ ابھی وہ برآمدے میں پہنچے ہی تھے کہ اچانک مالی بھاگتا ہوا آیا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں

"سج، جناب اس ملازم کی لاش اور جھاڑیوں کے نیچے پڑی ہے۔" اس نے بڑے متوجہ مگر بے حد خوفزدہ لہجے میں سفیر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"کس کی لکچن بوائے کبہ سفیر نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں جناب ابھی میں جھاڑیوں کو تڑاٹنے اور گر گیا تو میں نے وہ لاش دیکھی ہے۔" مالی نے کہا۔

"پی۔ اے اور دیگر سپاہیوں کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔" سفیر نے اسے حکم دیا اور وہ تیزی سے ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

چند ہی لمحوں میں یہ خیر تمام سفارت خانے میں جگلی کی آگ کی طرح پھیل گئی اور تمام ملازم اپنا اپنا کام چھوڑ کر کپاؤنڈ میں پہنچ گئے۔ سپاہیوں نے جھاڑیوں کی لاش سے لاش اٹھا کر کپاؤنڈ میں رکھ دی۔ سفیر صاحب کے کہنے پر پی۔ اے نے مقامی پولیس کے اعلیٰ حکام کو اطلاع دے دی تھی۔ چنانچہ چند ہی لمحوں بعد پولیس کے اعلیٰ حکام بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔

"دیکھئے ملازم کی لاش سے صاف ظاہر ہے کہ مجرم باہر سے آئے تھے اور سفارت خانے سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔" سفیر نے ایک پولیس آفیسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سر دیکھئے لاش کے کپڑے صاف ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم نے اس

مکن بڑے کامیک اپ کر کے اور اس کا لباس پہن کر یہ حرکت کی ہے۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر اس کا مشن صرف دونوں ڈاکٹروں کو قتل کرنا تھا تو پھر مکن بڑے کامیک اپ کرنے کی اسے کیا ضرورت تھی۔" پولیس آفیسر نے جواب دیا۔
 "یہ سوچنا آپ کا کام ہے۔" سفیر نے جواب دیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھے مگر کم از کم سفارت خانے پر آیا تھا الزام تو ختم ہو گیا۔
 "مجرموں اور فارموسے کا پتہ چلا۔" سفیر نے دوسرا سوال کیا۔

"جی ہاں دونوں مجرم جھیل سے فرار ہو کر ایک غازیہ گئے مگر پھر انہوں نے دو پولیس آفیسروں کو مار کر ان کا لباس بدل لیا اور پھر وہ بگ کو درپہنچ گئے۔ فارموسے والے بگ پولیس کو ایک شہر ہی نے لاکر دیے جو ایک کھیت میں پڑے تھے۔"
 "تو کیا فارموسے والے بگ مل گئے؟" سفیر مسرت سے پچھل پڑا۔

"نہیں تو جناب پولیس کا سپاہی بگ لے کر فوراً ہیڈ کوارٹر پہنچا وہیں وہ دونوں مجرم ایک پولیس آفیسر کو بے ہوش کر کے جبار بے ہوش کر کے اس نے پہچان لیا اور اس کے شور مچانے پر جب سپاہی انہیں پکڑنے گئے تو وہ بگ لے کر ایک جیب کے ذریعے فرار ہونے لگے۔ وہ پکڑ لئے جاتے مگر ملین موقع پر ان کے ساتھیوں نے پولیس ہیڈ کوارٹر پر حملہ کیا۔ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے فرار ہو گئے مگر باہر ایک راک سے ان کی جیب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ مگر پھر بھی وہ بگ لے کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے مگر اب پولیس ان کے گرفتار شدہ ساتھیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگا رہی ہے پولیس آفیسر نے پوری وضاحت سے رپورٹ دی۔

"میں نے قریب تک یہاں کی پولیس کی کارکردگی کی بے حد تعریفیں سنی تھیں مگر

مجھے اندازہ ہے کہ یہاں کی پولیس انتہائی نکلی ہے کہ دولڑکے پولیس ہیڈ کوارٹر میں گھس کر واپس نکل جاتے ہیں اور آپ منہ دیکھتے رہ گئے۔"
 سفیر نے بڑی جھجھلاہٹ کے عالم میں جواب دیا۔

"یہ دولڑکوں کا کام نہیں جناب یہ ایک پوری عظیم کام کر رہی ہے۔ دور دورہ لوگوں میں اتنی محبت کہاں کہ وہ یہ سب کچھ کرتے۔ بہر حال ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جلد ہی مجرم گرفتار کر لئے جائیں گے۔" پولیس آفیسر نے ندامت سے پرہیز میں جواب دیا۔

"پلیز جتنی جلدی ہو کے مجرم گرفتار کر کے فارمولا دستیاب کیجئے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے ملک میں اس واقعہ کے خلاف شدید رد عمل تھا ہے اور پھر اس کی وجہ سے آپ کے ملک کے وقار کو کتنی ٹھیس پہنچا ہے۔" سفیر نے کہا اور پھر واپس مڑ گئے۔
 ان کا چہرہ غصے اور جھجھلاہٹ کے امتزاج سے لمحہ بھر رنگ بدلی رہا تھا اور پولیس اس طراز کی لاش اٹھوانے میں مصروف ہو گئی۔

یہاں کار اپنی پوری رفتار سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ ڈرائیور شاید جان بوجھ کر ایسی سڑکوں کا انتخاب کر رہا تھا جہاں ٹریفک کم ہو۔ رات کی سیاہی ٹمہ بھر چھیل چکی جا رہی تھی مگر سڑکوں پر لگے ہوتے بے شمار ٹریفک سائنس اس تاریکی کے خلاف بھرپور جدوجہد میں مصروف تھے۔

"جلدی کرو پولیس نے ناکہ بندی کر لی ہوگی۔ ہمیں ان کی ناکہ بندی سے پہلے نکل جانا چاہیے۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان نے ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جلدی تو کر رہا ہوں۔ حد سے زیادہ تیز رفتار ہی بھی نہیں ٹھکوک کر دے گی۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

راکی نے اثبات میں سر ہلایا اور مار کر دیکھنے لگا۔ دوسرے لمحے وہ چنک پڑا۔
"راکی ایک کار ہمارا تائب کر رہی ہے۔ میں کافی دیر سے اسے چیک کر رہا ہوں۔"
"جھٹکا میں بھی اسے چیک کر رہا ہوں۔ یہ شاید مہتر یا رٹی ہے۔"
ڈرائیور نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے وہی ہو سکتی ہے۔ ایگل بیچ کی طرف کار بے حذر بہیں سب سے پہلے ان سے پٹنا ہوگا۔ پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے ڈرائیور سے کہا۔
اور ڈرائیور نے خاموشی سے کلائنگ پر سے کار دائیں طرف موڑ لی۔ پچھلی کار کی پینلڈ فاحشی تیز ہو گئی تھی کیونکہ اب وہ محض لمحہ قریب سے قریب تر ہوئی آ رہی تھی۔ جلد ہی دونوں کاروں میں معمولی فاصلہ باقی نہ گیا۔ اب جس سڑک پر وہ جا رہے تھے وہ خاصی سنسان تھی۔ سیٹ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے قریب پڑی ہوئی مشین اٹھائی اور پھر اس نے کار کی سائیڈ میں لگا ہوا ایک چھوٹا سا بٹن دبایا۔ ٹھک کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ آہستہ سے نیچے بیٹھا اور اس نے مشین گن کی نال خالی جگہ پر لگائی اور پھر ٹریگر دبا دیا۔ تڑتڑاہٹ کی آواز سے سڑک گریج اٹھی اور پیچھے آنے والی کار پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ دوسری طرف سے فائر کرنے کی کوشش کی گئی مگر مشین گن کی گولیاں بائیں کی طرح برس رہی تھیں کار کا فرنٹ سکرین ٹوٹ گیا اور دوسرے لمحے پیچھے آنے والی کار کو کھڑا کرنے لگی۔ شاید ڈرائیور بھی شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اور پھر ایک زوردار معرکہ ہوا اور کار سڑک کی سائیڈ میں لگے ہوئے ایک تنادر درخت سے جا ٹکرائی۔

مشین گن چلانے والا نوجوان بڑے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

دونوں بیٹیوں کے درمیان خالد اور ظفر جیوش پڑے تھے۔ ظفر نیچے تھا اور خالد اوپر۔ اور نوجوان مشین گئی چلائے کے لئے ان کے جیوش کے اوپر ہی بیٹھا تھا۔ گولیوں کی پتی تڑپا ہٹ کے وقت ہی خالد جیوش میں آگیا تھا۔ مگر چند لمحوں تک اس کے جیوش و حواس درست نہ ہوئے۔ اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر گولیوں کی دوسری بوچھاڑ نے اس کے شعور کو مجبور دیا۔ ادا پھراے تمام پکڑیشن سمجھیں آگئی۔ مگر اس کے اوپر اس نوجوان کا بوجھ تھا۔

پھر جیسے ہی وہ نوجوان پچھلی کار سے چھٹا راپا کر اٹھنے لگا اس کے جسم کا دوبارہ خالد پر تھرے ہلکا تھا۔ دوسرے لمحے خالد نے پوری قوت سے اپنے جسم کو جھٹکا دیا اور وہ بڑی تیزی سے اٹھ بیٹھا تھا۔ گواہ کے ذہن میں اس حرکت کا وہ ایجنٹ قطعی نہیں تھا جو ہمارا کار کی بیک سکرین کی جگہ جھٹکا تھا وہ عجیب طریقے سے خالد کے کام آگیا۔ جیسے ہی وہ اپنے جسم کو جھٹکا دے کر تیزی سے اٹھا وہ نوجوان جو اپنے جسم کو ڈھیلے چھوڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا ایک جھٹکے سے اڑتا تھا خلا سے باہر جاگرا۔ اس کی ایک طویل چیخ غرور مٹا دی مگر کار کی سپیڈ اتنی تیز تھی کہ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی آخری بیخ ہو گیا۔

فوری طور پر بیک سر میں اس نوجوان کی کاروائی کو دیکھ رہا تھا اس اچانک کا کیا ہٹ سے ہلکا گیا اور اس نے پوری قوت سے بریک ادا دیئے۔ اسی لمحے خالد کے ذہن نے کچھ لمبی طرح کام کیا اور اس کا منہ پوری قوت سے ڈرائیور کی گدی کی طرف پڑا۔ اور ڈرائیور ایک سائیڈ پر لڑھک گیا۔ کار کا نڈن خراب تو ہو رہا تھا مگر وہ چمک پھلے ہی بریک لگا چکا تھا اس نے کار گھومتی ہوئی رک گئی۔ خالد نے بڑی چھرتی سے ڈرائیور کو گھسیٹ کر ایک طرف کیا اور خود کو دروازہ توڑ کر سیٹ پر بیٹھ گیا اس نے کار کو

دروازہ انتہائی رفتار سے بھگا دیا۔ اب اسے خطرہ تھا کہ ڈرائیور کہیں جلدی جیوش میں نہ آجائے۔ چنانچہ اس نے ایک لمحے کے لئے سٹیئرنگ کو سنبھالا اور دوسرے لمحے سائیڈ کار وازہ کو کھول دیا۔ کار کی سپیڈ کی وجہ سے پوری طرح وہ دروازہ کھلی نہیں سکتا تھا خالد نے سیٹ پر پڑے ہوئے بے ہوش ڈرائیور کو اپنے ہاتھ سے دروازے کی طرف دھکیلا۔ بے ہوش ڈرائیور کے جسم کے ہاتھ سے کار کا دروازہ کھلا اور خالد نے پوری قوت سے اس کے جسم کو دھکیل دیا اور دوسرے لمحے بے ہوش ڈرائیور کا جسم کھلے ہوئے دروازے سے باہر جاگرا۔

کار کا نڈن ایک بار پھر خراب ہونے لگا تھا مگر خالد نے بڑی چھرتی سے سنبھال لیا اب وہ دروازہ کھلی لیا آدمی نہیں تھا جبر کا کو روک سکے۔ اس نے مرکز دیکھا تو دونوں بیک اب بھی کچھ سیٹ کے کونے پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کا دل بیوں اچھلنے لگا۔ وہ اپنی جگہ وہ جس کا یہاں ہو گیا تھا اس نے اپنے ملک کا فارمولا دشمن کے ہاتھ نہیں جانے دیا تھا۔

جلد ہی اسے احساس تھا کہ جتنی جلدی وہ اس کار سے چھٹا راپا لے آنا اچھا سرنگ کی اونٹوں سائیڈوں میں کھینچی کا طریق سہل تھا۔ اس نے کار کی رفتار آہستہ کی اور پھر اسے کھیت میں ڈال دیا۔ مقورچی دور جانے کے بعد اس نے کار روکی اور پھر بڑھ چھرتی سے باہر نکل آیا۔ کچھ سائیڈ کار وازہ کو کھول کر اس نے بے ہوش ظفر کو بھی باہر کھینچا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے وہ دونوں بیک بھی گھسیٹ لئے۔

اب مسئلہ تھا ظفر کو جیوش میں لانے کا۔ اس نے اسے بار بار مجبور ڈرائیور کو بھائی دنیا میں کہیں دو ملک جا چکا تھا۔ آخر جھجکا کر اس نے پوری قوت سے ظفر کے چہرے پر

تھپڑ مار دیا اور نتیجہ اس کی ترقی کے خلاف تھا۔ زوردار تھپڑ نے ظفر کے اعصاب کو
جھجھک دیا تھا اور وہ ہوش میں آنے لگ گیا تھا۔ یہ ترکیب کا یا ب ہوتی دیکھ کر اس نے
لگاتار دو تین تھپڑیں لگ کر ظفر کو جمادیتے اور دوسرے لمحے ظفر پاگلوں کی طرح اٹھ بیٹھا۔
"مارو، مارو مجھے، لعنت ایسی حب الوطنی پر مارو۔ ظفر تیزی سے جھنجھک رہا تھا۔
شاید وہ ابھی تک لاشعوری کیفیت میں تھا۔

"ظفر ہوش میں آؤ، میں خالد میں ہوش میں آؤ ظفر" خالد نے اسے جھجھکتے ہوئے کہا۔
"اے کیا کیا خالد ہو" ظفر کا شعور جیسا کہ گویا ادب ہی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"جدی کرو کسی بھی وقت ہم کپڑے جاسکتے ہیں"۔ خالد نے اسے کہا۔ اور پھر
تیزی سے بیگ کھولنے لگا۔ مگر بیگز میں تالے لگے ہوئے تھے۔ اس جھجھلاہٹ کے عالم
میں اور دھڑکنا اور پھر اسے قریب ایک میٹر نظر آیا۔ اس نے دوڑ کر پتھر اٹھایا اور
پوری قوت سے تالے توڑنے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی ظفر نے بھی ایسا ہی کیا اس نے بھی
ایک پتھر اٹھایا اور پھر وہ بھی دوسرے لمحے بیگ کے تالے توڑنے میں معروف ہو گیا۔
مگر تالے بھی نہ بنے کس ہڈی کے بنے ہوئے تھے کہ ٹوٹنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ اور
وہ درجن اس کام میں اتنے محو ہو گئے کہ انہیں گرد و پیش کا خیال ہی نہ رہا۔ ان کے
دہن میں بس یہی ایک جہنم تھا کہ کسی طرح یہ تالے ٹوٹ جائیں اور پھر خالد کے بیگ کے
تالے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے بیگ کا ڈھکن کھولا اس میں ایک فائل موجود تھی
اسی لمحے ظفر کے بیگ کے بھی تالے ٹوٹ گئے۔ اس نے بیگ کھولا تو اس میں بھی ایک
فائل تھی۔ "جدی کرو ظفر" خالد نے اپنے بیگ سے فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہینڈ ڈاب خبردار اگر حرکت کی"۔ اچانک ان کے کانوں میں ایک کھٹ آواز سنائی دی۔
وہ راتقلوں کھڑے تھے اور سڑک پر ایک پولیس وین موجود تھی۔

"اب تک انہیں پہنچ جانا چاہیے تھا؟" ڈرائیورنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی
نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں کافی وقت ہو گیا ہے۔ حزمہ کہیں گڑبڑ ہو گئی ہے"۔ کچھلی نشست پر بیٹھے
ہوئے ایک فربہ اندام آدمی نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے جا کر چیک کیا جاتے؟" ڈرائیور نے راستے طلب کی۔

"نہیں اگر گڑبڑ ہوئی تو وہ خود ہی کاشن دیں گے"۔ کچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے
آدمی نے کہا۔

اس سے پہلے کہ ڈرائیور کوئی جواب دیتا کار میں تیز سیٹی کی آواز گونج اٹھی۔ ڈرائیور نے
تیزی سے ڈیش بورڈ پر نگاہ اٹھا لیکن وہاں دوسرے لمحے سیٹی کی بجائے ایک گھبراہٹ

جو آئی آواز سنائی دی۔

”ہیلو امیون سپیکنگ اودو۔“

”یس آپریشا اپنارنچ سپیکنگ وس اینڈ اودو۔ ڈرائیور نے جواب دیا۔“

”باس میں سخت زخمی ہوں وہ دونوں لڑکے کاراہد ہیک نے کڑھلی گئے وہ ایگلی یتھکی

طرف جارہے ہیں اودو۔“ نمبر امیون نے کہا۔ اس کا لہجہ جمید گھبراہٹ والا تھا۔

”یہ کیسے ہوا اودو۔“ ڈرائیور صبح کر بولا۔

”باس ہمارے پیچھے کار۔۔۔۔۔“ اور پھلنی شست پر بیٹھے ہوئے آدمی نے آگے بڑھ

کر ڈیش بورڈ کا ہٹن دبا دیا۔ اور رابطہ ختم ہو گیا۔

”یہ وقت تفصیل کا نہیں عہدی ایگلی پہنچ چلو۔ ہمیں ہر تہمت پر انہیں ٹھیسپ کرنا ہے۔“

اس نے تیز لہجے میں کہا۔

اودو ڈرائیور نے سر ہلا کر کار آگے بڑھا دی۔ چند ہی لمحوں بعد کار انتہائی رفتار

سے سڑک پر بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

”باس میں شدید زخمی ہوں ہماری کار تباہ ہو گئی ہے، مقررہ طریقہ کار میں ان دونوں ٹیکسٹ

بیکر سمیت ایگلی چچ کی طرف لے گئی ہے اودو۔“ ٹھہرتے ہوئے لہجے میں دوسری طرف سے کہا گیا۔

”ہیلو ہیکل کتھ وقت تھابے انہیں گئے ہوئے اودو۔“ باس نے زور سے چیخے ہوئے کہا مگر دوسری

طرف سے خاموشی رہی برلنے والا یا تو بہوش ہو چکا تھا یا زندگی سے ناظر ٹوڑ چکا تھا۔

”ٹیم شیم آدمی نے بڑے تشریش رددہ انداز میں ٹرانسپیر کا سوچ آٹن کیا اور پھر اس نے تیزی

ناپ گھا کر فزکس نکا تبدیل کرنی شروع کر دی اور پھر اس نے ایک ہٹن دبا دیا اور تیز لہجے میں برلنے لگا۔

”ہیلو باس سپیکنگ نمبر تقری ہیو ہیلو اودو۔“

”یس نمبر تقری سپیکنگ باس اودو۔“ دوسری طرف سے نمبر تقری کی آواز سنائی دی۔

”ابھی ابھی نمبر امیون کی رپورٹ آئی ہے۔ مقررہ طریقہ کار میں ایگلی روکوں کوٹے کرا ایگلی چچ کی طرف

گھمبہ ہے۔ فوراً اپنارنچ سیکشن تقری سکس کو گٹھ لڑکے آپریشا کا حکم دو۔ وہ فارمولا ہر تہمت پر چاہیئے

چاہے کچھ ہو جائے۔ اودو۔“ باس نے صیغے ہوئے کہا۔

”مجھے رپورٹ ملی چکی ہے باس۔ میں نے تقری سکس کو آرڈر دے دیتے ہیں

اس نے کار کو روک دیا ہو گا۔ اودو۔“

نمبر تقری نے جواب دیا۔

”ا۔ کے۔ فارمولا لے ہی مجھے فوراً رپورٹ دو اودو اینڈ آئی۔“

”ہٹن سے جواب دیا۔“

اور پھر سوچ بیکر کے وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اور پولیس آفیسر کے ساتھ ساتھ خالد بھی نہیں دیا۔

خالد بھی دونوں پولیس دہکن میں بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھے ہی دوا پور نے ڈیڑھ گھنٹہ پر لگا ہوا ایک مین دبا دیا۔

”ہیلو پولیس دہکن غبرائیوں ہندو کا لنگ ہیڈ کوارٹر اور“ پولیس آفیسر نے آگے بڑھ کر سیورہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

”میں پولیس ہیڈ کوارٹر پچنگ رپورٹ اور“ دوسری طرف سے ایک بھاری جھرمک اٹھانے لگی۔

”سرداروں نے لڑکے کے بعد فاک کے ایگلی بیچ کے قریب گرفتار کرنے میں مزید آگے نہیں۔ اور“ پولیس آفیسر نے بڑے کوربانہ لہجے میں جواب دیا۔

”ان دونوں کو وہی گولی مار دو اور فاقیں فوراً ہیڈ کوارٹر بھیج دو۔ فاقیں دوا پور نہیں جانی چاہتیں۔ ہیڈ کوارٹر انچارج نے جواب دیا۔

”نہ۔ مگر سر۔۔۔۔۔“ پولیس آفیسر اس خلاف توقع حکم سے گھبرا گیا۔

”جو تھیں حکم دیا جارہا ہے وہ کرو۔ ہمارے ملک نے اس اہم فاروسے نے خود استفادہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لڑکوں کا قتل ضروری ہے تاکہ بات جرموں کے سر مندرہ دی جائے“ اور“ ہیڈ کوارٹر انچارج نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔

”بہتر خراب آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی اور“ پولیس آفیسر نے مہمیز نظروں سے دیکھ کر کچھ بھی نہ کہتے ہوئے کہا۔

ادھر اور خالد دونوں کے رنگ زرد پڑ گئے۔ کیونکہ یہ ان دونوں کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ پولیس انہیں یوں گولی مار دے گی۔ ان کا خیال تھا کہ زیادہ سے

”نوئی تم میری فاقیں اٹھا لو اور تم دونوں چلو کار میں بیٹھو۔ تم نے ہمیں بھید پریشان کیا ہے“

پولیس آفیسر نے بیک وقت پاسی، خالد اور ظفر کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

اور پھر ایک پاسی نے بڑھ کر نیچے زمین پر پڑی ہوئی دونوں فاقیوں اٹھائیں خالد اور ظفر انہوں کے نشانوں پر سرک پر کھڑی ہوئی پولیس کار کی طرف بڑھنے لگے۔

”اسر صاحب کیا آپ نہیں بھانسی پر چڑھائیں گے“ ظفر نے جاتے جاتے بڑے

یتیمانہ انداز میں پولیس آفیسر سے پوچھا۔

”بھئی کی کرسی پر بٹھائیں گے“ آفیسر نے بڑے نخوت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا پھر ایک مہربانی کرنا فیروز آباد“ ظفر نے بڑے انکارانہ لہجے میں کہا۔

زیادہ انہیں ان کے ملک کے سفارت خانے کے حوالے کر دیا جاتے گا۔ مگر صحت
نہی ہو سکتی کہ اس ملک کی بھی نیت فارمولے کے متعلق خواب ہو گئی ہے اور اب وہ انہیں
ختم کر کے وہ فارمولا خود معین کرنا چاہتے تھے۔

”چلو نیچے اترو۔“

پولیس آفیسر نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے سپاٹ بجے میں کہا۔
”اسے تم کیسے قانون کے ممانعت ہو جو خود ہی قانون توڑ رہے ہو۔“ ظفر سے نہ
رہ جاسکا۔ دو بول پڑا۔

”نیچے اترو ہم تمہارے خون سے اپنی دینگن خواب نہیں کرنا چاہتے جلدی کرو۔“
پولیس آفیسر نے کہا اور پھر خالد کو نیچے اتر آیا۔ مگر ظفر سمیٹ کو مضبوطی سے
پکڑے بیٹھا سٹا۔ ایک سپاہی نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔
”اس کیفیت میں چلو جلدی ہمارے پاس دمت نہیں ہے۔“

پولیس آفیسر نے حکم دیا

اور چارو ناچار وہ دونوں لاکھ انٹائی سڑک کی طرف چل پڑے۔
پولیس آفیسر اور ایک سپاہی ہاتھ میں رائفل انٹائی ان کے پیچھے
تھے۔

”سیاہ کار کے قریب چلو۔ جلدی کرو۔“

پولیس آفیسر نے کہا۔

اور پھر رائفل والے نے آگے بڑھ کر رائفل کی نال سے ظفر کو دھکا دیا۔
”چل تو رہے ہیں اور کیسے چلیں تم کون سے ہیں کسی ہوئی میں نے جاب ہے تو۔“

ظفر نے جھجکا کر کہا۔

موت کو یوں قریب دیکھ کر اس پر جھٹلاٹ کا عجیب سا دورہ پڑ گیا تھا۔
”سٹاپ۔“ سپاہی نے اکر کر کہا۔

اور پھر ظفر براہ راست نہ کر سکا اس نے سوچا مرنا تو میسر بھی ہے تو کیوں نہ کم از
کم سپاہی کے ایک گھونسا مار دوں۔ پس وہ ہن پٹ گیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے
مڑا اور اس نے پوری قوت سے ایک مکہ پیچھے آنے والے سپاہی کے منہ پر
جڑ دیا اور سپاہی جس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی الٹ کر نیچے جا گرا۔

اسی لمحے خالد نے بھی بڑی پھرتی سے پلٹ کر اپنے پیچھے آنے والے
پولیس آفیسر کے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ مگر وہ سرے سے ”اوغ“ کی آواز
نکالتا تھا زمین پر جا گرا کیونکہ پولیس آفیسر نے بڑی پھرتی سے اس کے پیٹ
میں گھنٹا مار دیا تھا۔ خالد کے نیچے گرتے ہی پولیس آفیسر نے اس پر فائر
کرنا چاہا مگر ظفر نے انتہائی پھرتی سے کام لیتے ہوئے زمین پر پڑی ہوئی
رائفل نال سے پکڑ لی اور پھر تیزی سے گھما کر پولیس آفیسر کی مگر پر مار دی۔
اور وہ ٹریگر دبانے کی بجائے زمین پر گر گیا۔ اس کا ریوالور بھی اس کے ہاتھ سے
چھوٹ گیا تھا وہ یہ دھا خالد پر گرا تھا۔ مگر خالد پھرتی سے کروٹ بدل گیا
اسی لمحے سپاہی نے تیزی سے اٹھ کر ظفر کی ٹانگ گھسیٹ لی۔ خالد نے بڑی
پھرتی سے گزروٹ لے کر قریب پڑا تو ریوالور اٹھایا اور پھر زمین پر لیٹے ہی بیٹھے
پولیس آفیسر پر گولی چلا دی۔

گولی اتفاق سے پولیس آفیسر کے سینے پر پڑی اور وہ ایک بھیانک جھنج

مار کر تڑپنے لگا

اس بپا ہی نے جو ظفر سے الجھا تو اتنا تعجب صورت حال بگڑتے دیکھی
تو وہ ظفر کو چھوڑ کر دیگن کی طرف بھاگنے لگا۔
"بھاگو بھاگو" وہ تیزی سے ہاتھ ہلا کر دیگن کے ڈرائیو کو پکارنے
لگا۔

مگر خالد کے دیوالور سے نکلنے والی دوسری گولی نے اسے بھی زمین چاٹنے
پر مجبور کر دیا۔

اسی لمحے دیگن سٹارٹ ہوئی۔ مگر ظفر اس دوران زمین پر پڑی راتفل
انٹالی تھی۔

پولیس دیگن ان سے تھوڑی ہی دور سڑک پر موجود تھی۔ اور اتفاق
سے ڈرائیو بھی انہیں کی سائیڈ پر بیٹھا تھا۔

اس نے جیسے ہی گاڑی سٹارٹ کی ظفر نے نشانہ ہاتھ کرنا ترک کر دیا
پہلی گولی ہی نشانے پر پڑی اور ڈرائیو دوسری طرف الٹ گیا۔ گولی اس
کی گردن میں لگی تھی۔

"سیرا دیکھا میرا نشانہ آخر چنگیزی خون ہے"

ظفر نے راتفل ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے کسی سیریل فلم کے ہیرو کی طرح فٹو لگایا۔
"دیگن کی طرف بھاگو۔"

خالد نے اٹھ کر ظفر سے کہا۔

اسی لمحے داتیس سائیڈ سے ایک کار تیزی سے دیگن کے قریب آکر دی

اس میں سے خالد راہر ظفر دونوں پر فائر کھول دیا گیا۔

"لیٹ جاؤ۔ زمین پر لیٹ جاؤ۔"

خالد نے صبح مگر ظفر سے کہا

اور ظفر کو کھلا کر دھب سے زمین پر گر گیا۔

خالد کی آواز سے غریبہ کان کے قریب سے گرنے والی گولی نے اسے
زمین پر گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

کار کا دروازہ کھلا اور پھر اس میں سے ایک آدمی ہاتھ میں دیوالور سے
تیزی سے باہر نکل کر دیگن کی طرف بھاگا

مگر اسی لمحے بائیں سائیڈ سے ایک کار تیزی سے موڑ کاٹتی ہوئی
دیگن سے زرا فاصلے پر آگئی اور پھر اس میں سے بھی مشین گن فائر کی
جو چار پہلی کار پر پڑی اور کار سے نکل کر دیگن کی طرف بڑھنے والا آدمی
تو اس میں اچھل کر سڑک پر آگرا۔

مشین گن کی گولیوں نے اس کے جسم میں سجانے کتنے سوراخ کر دیئے
تھے۔

پھر دونوں کاروں میں موجود آدمیوں کی آپس میں ٹھٹھکی گئی وہ گاڑی سے
نکل کر ان کی اوٹ میں ایک دوسرے پر فائر کر رہے تھے۔

"جلدی کرو دیگن میں بیٹھو۔ وہ پارٹیاں آپس میں لڑ پڑی ہیں۔ ہمیں موقع
نہ ملے گا انہما نا چاہیے۔"

ظفر نے خالد سے کہا۔

اور پھر وہ تیزی سے زمین پر بیٹھتے ہوئے دیگن کے قریب پہنچ گئے۔

اور پھر سب سے پہلے خالد دیگن کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور پھر خطرے کے بھی اس کی پیروی کی۔

وہ تیزی سے کچھ نشستوں کے درمیان دیکھ گیا تھا۔

خالد نے بھی اپنا سر وند سکین سے نیچے جھکا لیا۔ اور کچھ دبا دیا اور

گاڑی آگے بڑھا دی۔

گاڑی پہلے سے سمارٹ تھی۔ خالد کو کچھ نظر نہیں آیا تھا کہ سلسلے کیا ہے۔ مگر وہ بڑی قوت سے ایکسیڈر دباتے ہوئے تھا۔

پولیس دیگن آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھی۔ دیگن پر بھی فائر ہوتے مگر وہ مددوں نیچے ہونے کی وجہ سے بچ گئے۔

خالد نے ڈراما سمر اور اٹھایا اور پھر فوراً ہی جھبکا لیا کیونکہ دیگن سیدھی سامنے کار کی طرف جارہی تھی۔

اور پھر کار کی اوٹ میں چھپے ہوئے افراد بڑی تیزی سے کار سے ہٹ کر سڑک کے اطراف کی طرف بھاگے۔

اسی لمحے دوسری کار سے ان پر گولیوں کی پوچھاڑ ہوئی اور ان میں سے ایک آدمی کی چیخ سنائی دی۔

دوسرے لمحے ایک زوردار دھماکا تھا اور دیگن اور کار ایک دوسرے سے بری طرح ٹکرائیں۔

زبردست دھمکے سے کار تو قلاباں لٹھکتی ہوئی الٹ گئی مگر پولیس دیگن

کا سوائے اس کے اور کچھ نہیں بگڑا کہ وہ تیزی سے کھوم گئی اور خالد کے ہاتھ سے سٹیئرنگ چھوٹ گیا۔

امداد وہیں ذیہ وزبر ہو گیا۔ مگر اب نہ صرف اس کے پیر کا ہواؤ ایکسیڈر پر تھا بلکہ پورا جسم اس پر تھا۔

گاڑی الٹ کر اسی رفتار سے مخالف رخ میں بھاگتی گئی۔

خالد نے بڑی پھرتی سے سٹیئرنگ سنبھالا اور پھر تیزی سے سرائٹا لیا۔ مگر دوسرے لمحے اس کی آنکھیں غوط سے پھیلتی چلی گئیں۔

اب دیگن دوسری کار کی طرف بڑھ رہی تھی وہ اس کلا کے اتنے قریب آچکی تھی کہ اس سے پہلے کہ وہ سٹیئرنگ لگ سکتا۔ دیگن کار سے ٹکرائی۔

دیگن کے آگے لگا ہوا حفاظتی راڈ پوری قوت سے کار کی سائیڈ سے ٹکرایا اور ایک زوردار دھماکا سے یہ کار بھی الٹتی چلی گئی۔

کار کی اوٹ میں چھپے سہتے لوگ بھی پہلی کار کی طرح اطراف میں بھاگے اور ان پر پہلی کار والے افراد نے گولیاں چلا دیں۔

دیگن چونکہ اس بار سائیڈ سے ٹکرائی تھی اس لئے اس کا رخ تھوڑا سا بدل گیا مگر خالد نے سٹیئرنگ سنبھال لیا۔

اور پھر اس نے تیزی سے سٹیئرنگ لگھوایا اور دیگن ایک بار پھر سڑک پر آگئی۔

خالد نے بڑی پھرتی سے گیس پدلی کر دیگن آگے بڑھا دی۔

اس کے نیچے دونوں پارٹیاں ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہی تھیں۔ مگر

اس کی دینگن پوری رفتار سے بھاگی چلی جا رہی تھی۔

اور سامنے سڑک صاف تھی۔

”ظفر! بلیو! امد فائلیس سنبھالو۔ ہم بچ گئے ہیں۔“

خالد نے بھیچے مرکز ظفر کو پکارتے ہوئے کہا۔

”ارے مجھے نکالو تو نکالوں۔ میں تو بری طرح بچیں گیا ہوں۔“

ظفر نے بھیچے یعنی آواز میں جواب دیا۔

اور پھر خالد اس کی حالت دیکھ کر مسکرا پڑا۔

اس کی ٹانگیں ایک سیٹ کے اوپر اور سر وہ سری سیٹ کے نیچے

چھپا ہوا تھا۔

”اب بیٹے اسی حالت میں رہو۔ جہاں رکیں گے وہیں تمہیں نکالوں گا۔“

خالد نے مسکرا کر کہا۔

اور گاڑی کی رفتار مزید بڑھا دی۔

جلد ہی پولیس دینگن میں روک پڑ پھنس گئی

ظفر نے تیزی سے دینگن ایک لگی میں روکی اور پھر دروازہ کھول کر نیچے

اتر آیا۔ اس نے پچھلا دروازہ کھولا امد بڑی مشکل سے پھنسے ہوئے ظفر کو

سیٹوں کی گرفت سے باہر نکالا۔

ظفر گردن پر لٹختا پھیرتا ہوا باہر نکل آیا۔

”خدا کی پناہ یہ جاسوسی ہوتی ہے۔ میں تو نرم بستر پر لیٹ کر جا سو رہا تھا۔“

پڑھتے ہوئے ہیرو کو گالیاں دیتا رہتا ہوں کہ کم بحث کو کی اکیشن نہیں دکھاتا۔“

ظفر نے سر دونوں ہاتھوں سے کپڑے پہنے اسے ادھر ادھر کھاتے ہوئے

کہا۔ جیسے اسے شک ہو کہ سرگردوں کی بجائے کسی اور چیز پر فٹ ہو گیا ہو۔

خالد نے اس کی کبوا اس پر دھیان دینے کی بجائے جھپٹ کر سیٹوں

کے درمیان پڑی ہوئی فائلیس اٹھائیں اور پھر ظفر کا بازو پکڑ کر لگی میں

بھاگنے لگا۔

جیسے ہی وہ ایک لگی میں ملا اسے سامنے ایک سپاہی آنا نظر آیا۔ اور

پلک جھپکنے میں خالد، ظفر کا بازو پکڑے قریب ترین کھلے دروازے میں گھستا

چلا گیا۔

اسے خطرہ تھا کہ پھر کہیں مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔

دروازہ بند کرتے ہی وہ جیسے مڑے وہ دونوں کھٹک کر رہ گئے۔

سامنے مگور یا کھڑی انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ادھ ماٹی نو سناؤ کیا حال ہیں۔ میں تو تمہارے فراق میں سوکھ سوکھ کر

باغی بن گیا ہوں۔“

ظفر نے اسے دیکھتے ہی بے اختیار کہہ دیا۔

”کیا پولیس تمہارے پیچھے ہے۔“

مگور یا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں جان تمہیں پتہ ہے پولیس ہیں دھکیں کہ تمہارے گھر آتی

ہے۔“

ظفر نے جواب دیا۔

خالد تیسوی سے مڑا اور دروازے کی گھڑی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ پیاری
اب دروازے کے سامنے سے گزر چکا تھا۔
وہ اٹلیوں کا سانس لیتے ہوئے مڑا۔
اوپر اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ظفر کی طرف دیکھا جو بازو پھیلاتے
گلوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جیسے اسے گلے لگانا چاہتا ہو۔ اور گور یا بھی
خود سپردگی کے عالم میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

اپنے پیارے قارئین کے سہولت کیلئے ہم نے

”خات برادر من“

کے زیرِ اہتمام

لیٹر پیڈ۔ کیش میو۔ فہرست کتب۔ جربہ تمہ تم۔ شادی کارڈ
عید کارڈ۔ لغافے و دیگر متعلقہ کام ۲ چھاپنے کے لئے

ادارہ طباعت

کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا ہے۔ اپنے پرنٹنگ سے متعلق کام اس پتہ
پر بھیجئے۔

نصیر مارکیٹ
ادارہ طباعت ”خان برادر من“
نوائے شہر۔ ملتان

جیسے ہی گھنٹی بھی سیر نے ریسور اٹھا کر کانوں سے لگایا۔
”میں چیف پولیس آفیسر پول رہا ہوں سر۔ یہیں افسوس ہے کہ آپ کے
ملک کے مجرم خالد اور ظفر ابھی ایگل بیچ کے قریب مروہ پاتے گئے ہیں
اور دونوں بگ کھلے پڑے ہیں۔ مگر ان میں سے کاغذات ثابت ہیں۔“
پولیس آفیسر نے بڑے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔
”اوہ آپ کیا کہہ رہے ہیں وہ کاغذات ڈھونڈیں۔ بہرِ تمکیت پر مجھے ان
مجرموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے وہ فارمولا چاہیے۔“
سیر صاحب نے غصے اور مایوسی کے عالم میں بیچ کر کہا۔
”ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں جناب۔ مگر میں امید کم نظر آتی ہے۔“

کیونکہ وہ کاغذات بچانے اب کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوں گے۔

چیف پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

”فارگا ڈیسک کچھ کریں، یہ فارمولا سید اہم ہے۔ میں نے آپ کو تفصیلات بتائی تھیں، آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ فارمولا کتنا اہم ہے۔“

سفر نے کہا۔

”ہم اس کی اہمیت سمجھتے ہیں جناب، یہ حال ہم کو کشش کر رہے ہیں۔“

پولیس آفیسر نے مسخ خیز لہجے میں جواب دیا پھر رابطہ ختم ہو گیا۔

سفر نے جھجلا کر ریسور کر ٹیل پر ٹپک دیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ وہ چنڈھے ٹپک کچھ دھنسا رہا۔ اس دوران وہ بے اختیار اپنی انگلیاں مردرد کر رہا تھا۔ جیسے کسی گہری الجھن میں پھنسا ہوا ہو۔ پھر اس نے ریسور اٹھایا اور نمبر ڈال کر لگا۔

”پا آپریٹر پاکستان ڈائریکٹ لائن تقری زیر سے بات کرنا چاہی۔“

ایئر جینی میں امبیڈر آف پاکستان بول رہا ہوں۔

ڈیوٹی پر پٹائی کی دجر سے اس کے منہ سے الفاظ سیدھے بہنیں نکل رہے تھے۔

”او۔ کے سرمولہ فارون منٹ۔ آپریٹر نے بڑے مہذب لہجے میں جواب دیا۔“

اور سفر نے ایک ہلکے سے سرکچا دیا۔

پھر چنڈھوں کے بعد ایک بار وقار آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

”ہیلو پرنسپل آف پاکستان سلیکٹ“

”سراٹیک رپورٹ ہے اس لئے میں نے امیر جنسی فون پر کال کرنے کی جرأت کی ہے۔“

سفر نے جھجلاتے ہوئے جواب دیا۔

”بات کرو، وقت ست خاتج کرو۔“ صدر مملکت نے تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اور پھر سفر نے چیف پولیس آفیسر سے ملی ہوئی رپورٹ لفظ بلفظ سنا دی۔

”اے یہ کچھ اس نے کیا تم نے ملاں کے حکام کو فارمولے کے متعلق کوئی تفصیل تو نہیں بتلائی تھی؟“ صدر مملکت نے کوفت لہجے میں کہا۔

”میں سر میں نے کچھ تفصیلات بتلائی تھیں تاکہ انہیں فارمولے کی اہمیت کا

احساس ہو سکے۔“ سفر نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

”احق آدمی تفصیل بتلانے کی کیا ضرورت تھی، اب اگر وہ حکومت اس فلموں

کو اپنے پاس رکھ کر ہمیں ٹرغداد سے توہم کیا کر سکتے ہیں۔ تمہیں تفصیلات اس لئے

بھیا نہیں کی گئی تھیں کہ تم انہیں آگے پہنچا دو۔ تمہیں تو اس لئے بتلایا گیا تھا کہ

تم اس کی اہمیت سمجھ لو اور فارمولے اور سائنس دانوں کی زیادہ حفاظت کر سکو۔“

صدر مملکت کے لہجے میں بے حد جھجلاہٹ تھی۔

”مم، مگر سر مجھے یہ خیال۔۔۔۔۔۔“ سفر نے کچھ کہنا چاہا۔

”شٹ اپ تم سفارت کے قابل نہیں ہو، میں تمہاری برطرفی کے احکامات

بھیج رہا ہوں۔“ صدر مملکت نے کہا اور رابطہ ختم ہو گیا۔

اور سفر ریسور کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

پھر اس نے اس طرح ریسور کر ٹیل میں ڈالا جیسے اس کے جسم سے جان

نکل چکی ہو۔

اسی لمحے سلیفون ایک بار پھر جین پڑا۔

سفر چنے لمحے خالی نظروں سے فون کو دیکھتا رہا

پھر اس نے آہستہ سے ریسیور اٹھا لیا۔

”ہیلو ایسیسڈرٹ پاکیشیا سپیکنگ“

وہ ایسے بول رہا تھا جیسے مجبوراً بول رہا ہو۔ ہونا نہ چاہتا ہو۔

”سہریں خالد بول رہے ہوں۔ فارمولا میرے پاس محفوظ ہے۔“

دوسری طرف سے خالد کی آواز سنائی دی۔

اور سفیر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں برقی رد و حرکت ہو رہی ہو۔

بے اختیار کسی سے اچھل پڑا۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر جا گرا۔

اور پھر دوسرے لمحے اس نے یوں جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا جیسے اسے خطرہ ہو کہ

کہیں ریسیور غائب نہ ہو جائے۔

”ہیلو کیا واقعی فارمولا تمہارے پاس موجود ہے۔ تم کہاں سے بول رہے

ہو۔ مگر تم تو مر گئے تھے۔“

وہ جوش کی شدت سے بے ربط جملے بول رہا تھا۔

”آپ سنئے تو سہی۔“

خالد نے پودھار لہجے میں کہا

”اور پھر اس نے شروع سے لے کر اب تک گزرے ہوئے تمام حالات

بڑی تفصیل سے سنا دیئے۔ اس نے پولیس کی کہانی بھی سنا دی۔

”اور تو ہمارے ملک کے ساتھ دھوکہ کھ رہا ہے۔ تم کہاں سے بول رہے ہو۔“

سفیر نے اچانک کسی خیال کے تحت پوچھ لیا۔

”ایک پبلک بوتھ سے خواب۔“

خالد نے جواب دیا۔

”مجھے اپنا موجودہ پتہ بتاؤ اور فوراً فون بوتھ چھوڑ دو۔ کہیں ٹیلیفون

کے ذریعے پولیس تمہیں ٹریس نہ کر لے۔“

سفیر نے تیزی سے کہا

اور خالد نے گلوڈیا کے گھر کا پتہ بتلا دیا۔

”ایک دفعہ فارمولا سمیت اس گھر سے نکل کر اپنے قریب ترین پارک

میں پہنچو۔ میں خود آ رہا ہوں۔“

سفیر نے کہا

اور پھر ریسیور پلک کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جوش اور مسرت کی شدت

سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

اور دوسرے دن خالد، ظفر اور گلوڈیا سفیر سمیت ایک اسپیشل جہاز

میں بیٹھے پاکیشیا کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔

”تم مجھے پہلے کیوں نہیں ملے۔“

سفیر نے شکوہ بھرے لہجے میں اپنے قریب بیٹھے ہر سے خالد سے مخاطب ہوتے

ہوتے کہا۔

”جناب آپ ہم پر کب یقین کرتے۔ اور پھر یقین جانتے حالات کچھ اتنی

تیزی سے بدلتے رہے کہ کہہ سکیں آپ سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں

ملی۔“

خالد نے جواب دیا۔
 "گھوڑا دیر سہم پاکیشیا پہنچنے والے ہیں۔ مہینے جیسے کی یاد تو نہیں
 آ رہی۔"

ظفر نے گھوڑا کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔
 "ادہ لنت بھیجو جگہ پر۔ تھارے جانے کے بعد اس نے مجھے بڑا
 پیٹا اور پھر مجھے چھوڑ دیا۔ ویسے میں تو پہلی ہی نظر میں تمہاری گودیدہ ہو
 گئی تھی۔ کون جانتا تھا کہ تم اچانک یوں دوبارہ مل جاؤ گے۔"
 گھوڑا نے بڑی ادا سے جواب دیا۔

اد ظفر سے اختیار گلدیا کہ جو سنے کے لئے آگے بڑھا۔
 "ہونہ"

خالد کا آواز سنا کی وی۔
 وہ انہیں کئی انگلیوں سے دیکھ رہا تھا۔
 اد ظفر برا سا منہ بناتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا اور گلدیا کے کھلا کر
 ہنس پڑی۔

"میرے والد اد ظفر ہمارے ملک کو تمہاری حب الوطنی پر فخر ہے جس
 طرح تم دونوں نے اپنی جانوں پر کھلی کر ملک کا اسم فارمولا دشمنوں سے
 ہاتھوں سے بچایا ہے اس پر ملک کا بچہ بچہ آپ پر ناز کرے گا۔ میں نے
 صدر مملکت کو تمام تفصیل بتلا دی ہے اور وہ آپ پر بے خوش ہیں۔"
 سیر نے جذبات سے پر لہجے میں کہا۔

اد خالد نے تو صرف سکڑانے پر ہی اکتفا کیا۔ مگر ظفر کی گردن خنجر سے اکر گئی
 اور وہ تیزی سے اپنی نائی کی ناٹ ٹھیک کرنے لگا۔
 گھوڑا بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

پھر چند لمحوں بعد جیسے ہی ان کا سیشن طیارہ دار الحکومت کے
 فوجی ایئر پورٹ پر اترا دیگر حکام کے ساتھ صدر مملکت خود ان کے
 استقبال کے لئے وہاں موجود تھے۔

صدر مملکت نے دونوں کو باری باری گلے لگایا
 اور پھر ایک آئینہ نے دو خوبصورت ڈبیاں ان کے ہاتھوں میں
 دے دیں۔

"میں تم دونوں کو اس حب الوطنی اور بے پناہ جسارت پر
 متحہ جزاآت عطا کرتا ہوں۔ میری اور ملک کے تمام عوام کی طرف
 سے مبارکباد قبول فرمائیے۔"

صدر مملکت نے کہا
 اور پھر انہوں نے خود تینے دونوں کے سینوں پر لگا دیئے۔
 "یہ فارمولا لیجئے خباب۔"

خالد نے کوٹ کی جیب سے دو ناکین نکال کر صدر مملکت کے ہاتھ
 میں دے دیں۔

ظفر نے آگے بڑھ کر صدر مملکت سے گھوڑا کا تعارف کرایا۔
 "خالد ان میں آپ کو بھی مہلک باد دیتا ہوں کہ آپ ہمارے وطن کے ان

جیسے سپوتوں کو پناہ دی امدان کی سفارت خانے تک پہنچنے میں مدد دی
آپ ہماری معزز مہمان تھی۔"

صدر مملکت نے گلوریا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا
"اب یہ میری منتقل مہمان بننے والی ہیں جناب"
ظفر نے بڑے شوخ ہلچے میں کہا

اور

صدر مملکت مسکرا دیے۔

ختم شد

مطبوعہ: نیو سٹار پرنٹنگ پریس لاہور